دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور
دارالعلوم حقانیہ
اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ
ماہنامہ
الحق
بیاد: شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم حقانیہ
مدیر: مولانا سمیع الحق

مطبوعاتِ مؤتمر المصنفین

کتاب		مصنف / مرتب	صفحات	قیمت
۱۔ حقائق السنن شرح جامع السنن للترمذی (مجلد) ترتیب و تحشیہ: مولانا عبدالقیوم حقانی	افادات	شیخ الحدیث مولانا عبدالحق	۵۳۶ صفحات	۱۲۵ روپے
۲۔ دعوات حق مکمل دو جلد (مجلد) ضبط و تحریر: مولانا سمیع الحق	//	// //	۱۱۹۲	۱۲۰ روپے
۳۔ قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ مرتبہ: مولانا سمیع الحق	//	// //	۴۰۰	۴۵ روپے
۴۔ عبادات و عبدیت مرتبہ: مولانا سمیع الحق	//	// //	۸۸	۸ روپے
۵۔ مسئلہ خلافت و شہادت مرتبہ: مولانا سمیع الحق	//	// //	۱۰۴	۱۰ روپے
۶۔ صحبتے با اہل حق (مجلد) ضبط و ترتیب مولانا عبدالقیوم حقانی	//	// //	۴۰۸	۷۵ روپے
۷۔ اسلام اور عصر حاضر (مجلد)	تصنیف	مولانا سمیع الحق	۴۶۰	۹۰ روپے
۸۔ قرآن حکیم اور تعمیر اخلاق	//	// //	۹۶	۷ روپے
۹۔ کاروان آخرت (مجلد)	//	// //	۴۴۶	۷۵ روپے
۱۰۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ (خصوصی نمبر)	//	// //		
۱۱۔ قادیانیت اور ملت اسلامیہ کا موقف	//	// //	۲۰۸	۳۵ روپے
۱۲۔ قادیان سے اسرائیل تک	//	// //	۲۲۴	۳۵ روپے
۱۳۔ قومی اور ملی مسائل پر جمعیۃ کا موقف	//	// //	—	—
۱۴۔ میری علمی اور مطالعاتی زندگی مجلد	//	// //	—	—
۱۵۔ روسی الحاد	//	//	۲۰۰	۴۵ روپے
۱۶۔ دفاع امام ابوحنیفہ (مجلد)	//	مولانا عبدالقیوم حقانی	۳۵۲	۶۰ روپے
۱۷۔ امام اعظم ابوحنیفہ کے حیرت انگیز واقعات (مجلد)	//	// //	۲۷۲	۵۶ روپے
۱۸۔ علماء احناف کے حیرت انگیز واقعات (مجلد) امام ابو یوسف، امام محمد جلد دوم	//	// //	۲۷۲	۵۶ روپے

کتاب		مصنف / مرتب	صفحات	قیمت
۱۹۔ ارباب علم و کمال اور پیشہ رزق حلال (مجلد)	تصنیف	مولانا عبدالقیوم حقانی	۲۳۲ صفحات	۵۶ روپے
۲۰۔ امام اعظم کا نظریہ انقلاب و سیاست	//	// //	۶۴	۷ روپے
۲۱۔ خطبات حقانی (جلد اول)	//	// //	۱۲۵	۱۸ روپے
۲۲۔ کتابت اور تدوین حدیث	//	// //	۴۸	۷ روپے
۲۳۔ عہد حاضر کا چیلنج اور امت مسلمہ کے فرائض (مجلد)	//	// //	—	—
۲۴۔ مرد مومن کا مقام اور ذمہ داریاں	//	// //	۳۲	۵ روپے
۲۵۔ ساعتے با اولیاء (مجلد)	//	// //	—	—
۲۶۔ د امام اعظم حیرانونکی واقعات (پشتو)	//	// //	—	—
۲۷۔ کشکول معرفت	//	// //	۱۱۲	۲۴ روپے
۲۸۔ الحاوی علی مشکلات الطحاوی	//	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا	۲۲۴	۳۵ روپے
۲۹۔ منہاج السنن شرح جامع السنن (عربی) چار جلد	//	شیخ الحدیث مفتی محمد فرید	—	۱۲۰ روپے
۳۰۔ برکۃ المغازی	//	شیخ الحدیث مولانا محمد حسن جان	—	—
۳۱۔ اللہ کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ باتیں	افادات	شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی	۲۴	۵ روپے
۳۲۔ ارشادات حکیم الاسلام	//	مولانا قاری محمد طیب قاسمی	—	۷ روپے
۳۳۔ عقیقہ کی شرعی حیثیت	تصنیف	مولانا مفتی غلام الرحمن	۹۶	۱۳ روپے
۳۴۔ دارالعلوم حقانیہ سے جامعہ ازہر تک	//	// //	۱۴۴	۲۴ روپے
۳۵۔ دفاع ابو ہریرہ	//	// //	—	—
۳۶۔ افادات حلیم	//	مولانا محمد ابراہیم فانی	۵۶	۶ روپے
۳۷۔ حیات صدر المدرسین (مولانا عبدالحلیم زروبوی)	//	// //	۵۱۲	۱۲۰ روپے
۳۸۔ فضائل و مسائل جمعہ	//	مولانا امین الحق گستوی حقانی	۹۶	۲۴ روپے

مکمل سیٹ منگوانے پر خصوصی رعایت

مؤتمر المصنفین ○ دارالعلوم حقانیہ ○ اکوڑہ خٹک ○ پشاور

اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

جلد ۲۸
شمارہ ۱۰
صفر ۱۴۱۴ھ
جولائی ۱۹۹۳ء

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

بیاد
حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مدیر
حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی

مدیر معاون، عبدالقیوم حقانی
ناظم ۔ شفیق فاروقی

فون نمبر ڈائریکٹ ڈائلنگ سسٹم
۴۳۵ / ۳۴۰
کوڈ نمبر ۔ ۰۵۲۴۹

اس شمارے کے مضامین

پاکستان میں سالانہ ۸۰/- روپے فی پرچہ ۸/- روپے بیرون ملک بحری ڈاک ۱۲/- پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک ۱۶/- پونڈ
سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

نقشِ آغاز

- ۱۴ر اگست یوم آزاد
- انتخابات ۱۹۹۳ء
- امیدواروں کی اہلیت کے دستوری تقاضے
- دینی قوتوں کے لیے ایک چیلنج

جب سے عبوری حکومت قائم ہوئی اور اکتوبر میں انتخابات کا اعلان ہوا ہے حسبِ معمول ایک بار پھر بات اخباری بیانات، سیاسی قائدین کی تقریرات اور پارٹی منشوروں کے نمائشی صفحات کے محدود دائروں میں گھومتی اور سنائی دے رہی ہے بالخصوص مذہبی سیاسی جماعتوں کی دینی قیادت، لادینی قوتوں سے اتحاد اور شعوری یا لاشعوری طور پر ان کا ضمیمہ بننے کے باوجود بھی اس بات کو بار بار دہرا رہی ہے کہ وہ پاکستان جسے ہم نے اللہ ذوالجلال، حضور خاتم النبیین علیہ التحیۃ والتسلیم اور اسلام کے نام پر حاصل کیا تھا اور اسے حاصل کرنے کی جدوجہد کے زمانہ میں اس مقصد کا غیر مبہم انداز میں اعلان کیا تھا کہ ہم اس سرزمین کو اسلام کی تجربہ گاہ بنائیں گے پھر پوری دنیا میں داعی الی اللہ بن کر اٹھ کھڑے ہوں گے اور وہ "نسیم حجاز" جس کے آنے سے بت پرستی کے گہوارے میں شمع توحید کی ضیاء پاشیوں سے کروڑوں افراد ظلمات سے نکل کر مینارہ نور کی جانب بڑھے اس نسیم کی حیات بخشی کا دائرہ پوری دنیا تک وسیع کریں گے۔

ہمارا مسلمان ہونا اسلام کے نام پر اس مملکت کا حصول اور یہ داعیہ کہ اس مملکت کو "دار ارقم" بنا کر دعوتِ اسلامی کو چار سو پھیلائیں گے ان سب کا اوّلین تقاضا ہے کہ یہ ملک اسلامی ہو اس کا ہر کام اسلامی شریعت کے تابع ہو اور یہاں کی ہر بات اسلام کی ترجمان ہو اس کا ایک جنڈی ہی نہیں بلکہ بنیادی اور اساسی تقاضا یہ ہے کہ یہ الیکشن ۹۳ء آزادانہ، منصفانہ ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہو اس سلسلہ میں ہم کسی نئے اقدام، کہ مطالبات کی کسی طویل فہرست یا ناممکن اقدامات کے اعلان کا مطالبہ ہرگز نہیں کر رہے ہم تو مملکت کے آئین اور دستورِ پاکستان ہی کے دفعات کے نفاذ و ترویج اور اس کے عملی تحفظ و پاسداری کا جائز مطالبہ کر رہے ہیں جو حد درجہ سہل، ممکن اور ملکی نظریاتی اساس کے عین مطابق ہے کہ خدارا! وہی آئین جس کے دفاع و تحفظ، اور پاسداری کا صدر، وزیر اعظم افواج پاکستان

اور الیکشن کمیشن حلف وفاداری لے چکے ہیں الیکشن اور امیدواروں کی اہلیت سے متعلق غیر مبہم اور واضح ہدایات دیتا ہے گزشتہ انتخابات میں خود آئین کے محافظوں کے ہاتھوں اس سلسلہ میں جو تضحیک اور استہزاء ہوتی رہی خدا تعالےٰ کی طرف سے اس کی سزا بھی ملتی رہی۔ اب کے بار دوبارہ اس غلطی کو نہ دہرائیے دستوری توضیحات کے مطابق امیدواروں کو خوب خوب جانچا پرکھا اور ٹٹولا جائے ہمیں یقین ہے کہ ارباب بست وکشاد سمیت وہ تمام افراد اور عناصر جو اسلام کو اپنی زندگی کا حاصل اور پاکستان کو عملاً اسلامی مملکت دیکھنے کی سچی آرزو اپنے دل میں رکھتے ہیں اس تجویز اور دستور کے واضح دفعات کو عمل کی منزل تک پہنچانے کی بھرپور کوشش کریں گے ۱۴ اگست کے یوم آزادی کا بھی یہی تقاضا ہے کہ ملک کے نظریاتی اساس کی محافظ تیار دست سامنے آئے اور وہ اسی طرح ممکن ہے کہ انتخابات میں امیدواروں کی اہلیت کا دستوری معیار پورا کیا جائے اللہ مصرف القلوب سے دعا ہے کہ وہ اس چھوٹے سے جائز اور ہر لحاظ سے موزوں واقعتاً ایک دستوری مطالبہ کو عملی اقدام کی صورت میں ڈھال دیں اگر یہ بات مان لی جاتی ہے تو یہ بارانِ رحمت کا پہلا قطرہ بنے گا جو اس مملکت میں اسلام کے عملی نفاذ کی صورت میں چھم چھم برسے گی اور ملت اسلامیہ کے کشتِ ویران پر موسم بہار بن کر آئے گی اور ہم جس خوفناک ملی انتشار اور لادینیت کے فروغ وغلبہ کی صورت میں جس عذاب میں مبتلا ہیں اس سے نجات حاصل ہوگی۔

امیدواروں کی اہلیت کے سلسلہ میں دستوری دفعات کے تحفظ وترویج کا مطالبہ کوئی اچھبا نہیں اس سے کوئی قیامت نہیں ٹوٹ پڑے گی ہم نے ۴۷ سال کا عرصہ جس انداز میں گزارا اور گزشتہ انتخابات کے نتیجہ میں جس طرح کے افراد وعناصر (الا ماشاءاللہ) ہم منتخب کر کے ان کے ہاتھ میں زمام اقتدار دیتے رہے، ملکی ریاست، وسائل اور معاشرہ پر جو لوگ حاوی مسلط یا مؤثر رہے اس کے نتیجہ میں پاکستانی معاشرہ جس نہج پر پروان چڑھتا رہا اس اعتبار سے نفاذِ اسلام کی مساعی اور اس کے نتائج کا ظہور اسی قدر ہونا تھا، جتنا ہوا ہے گزشتہ انتخابات اور عملی سیاسیات میں غالب آنے والوں نے

- اسلام کو نعرے کی حد تک اختیار کیا۔
- اسلام کو اپنے مفاد یا اقتدار کے حصول اور تحفظ کے لیے استعمال کیا۔
- اسلام کو اپنی جماعت کی مقبولیت یا انتخابات میں کامیابی کی غرض سے پیش کیا۔
- اسلام کو تقریر اور تحریر تک محدود رکھا۔
- اسلام کو رواداری اور غیر جانبداری کی زہر آلود تلوار کا شکار کیا۔

- ✡ اسلام کو اپنے اپنے مسلکی گروہوں اور حد بندیوں میں ٹکڑے ٹکڑے کرکے پیش کیا۔
- ✡ اسلام کو اپنے اپنے اذہان کے مطابق تاویلات کی چکی میں پیس کر اس کا حلیہ تک بگاڑ دیا۔
- ✡ اسلام کو جدید زمانہ کے حالات کے مطابق ڈھالنے کا خطرناک کھیل کھیلا۔
- ✡ اسلام کو سیاستِ کفار کا تابع بنانے کی ظالمانہ جسارت کی
- ✡ اسلام کو مغربی اندازِ زندگی میں سمونے کی ملحدانہ کوشش کی
- ✡ اسلام کے قطعی احکام، حرمتِ سود، پردہ، حدود اور شرعی سزاؤں کو وحشیانہ، اور ظالمانہ قرار دیکر سرِ عام اس کی تعلیمات کا استہزاء کیا۔
- ✡ اسلام کو زندگی کے تمام شعبوں سے عملاً خارج کرکے غیر اسلامی زندگی کو اپنایا۔
- ✡ سیاست کا مرحلہ آیا تو اسلامی جمہوریت کا لیبل لگایا۔
- ✡ معیشت کا مسئلہ آیا تو اسلامی مساوات اور محمدیؐ مساوات کی اصطلاحات ایجاد کیں۔
  نظامِ زندگی کی بات کی تو اسلامی سوشلزم کے حوالے سے اپنی شناخت کی۔
- ✡ گھریلو زندگی کو دیکھا تو مغرب کا ملعون طرزِ بود و باند اپنایا۔
- ✡ عورت کے پردہ کے مسائل پر بات آئی تو مساواتِ مرد وزن کا جنسی طرزِ عمل اپنایا۔
- ✡ تجارت کی باری آئی تو سود کو بنیادی اینٹ بنایا۔
- ✡ صحافت کاروبار کرنے کا سوچا تو دنیا بھر کی فحاشی اور منافقت میں اسکی کامیابی کا راز پایا۔
- ✡ تعلیم کی راہ نکالی تو دین کو خارج کرکے ہر بے دینی، لسانی، گروہی، صوبہ جاتی جراثیم داخل کئے۔
- ✡ عدالت کی طرف آئے تو اسلام کو پسِ پشت ڈالا

اور پھر اپنے ارد گرد، اپنی ذات سے لے کر اس معاشرے کے اونچے ترین فرد اور ذمہ داروں تک کو دیکھ لیجئے سابقہ حکمرانوں سمیت ملک کے تمام چھوٹے بڑے سیاستدانوں کو جانچ لیجئے، کونسی شخصیت کون سا مقام، اور کونسا مرحلہ تھا جہاں اسلام کسی بھی طرح نظر آیا ہو؟ (الا ماشاء اللہ) خدا کا شکر ہے کہ ایسے ماحول، متعفن معاشرے، مغربی طرزِ سیاست، دجل و فریب کے غلبۂ دولت کی یلغار، عیاشانہ نظامِ زندگی، زندقہ والحاد، فتنہ و فساد کے طوفانوں اور ظلمتوں و ضلالتوں کے تہہ بہ تہہ اندھیروں میں ملک بھر کی تمام مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والی دینی قوتوں نے ملکی سیاست میں پہلی مرتبہ متحدہ دینی محاذ کے پلیٹ فارم سے مولانا سمیع الحق مدظلہ کی قیادت میں انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کرکے اسلام کے نفاذ کا علم لہرادیا۔

اس موقع پر ہم دینی محاذ کی قیادت اور ملک بھر کے بہی خواہانِ دین وملت سے صرف اتنی سی گزارش

کریں گے کہ جس عنوان، جس نظام، جس منشور اور جس جھنڈے تلے تم لوگ جس سرزمین میں اسلامی شریعت کی قلمیں لگانے کی مہم چلا رہے ہو وہ بڑی سخت ہے اور سیم و تھور زدہ بھی، معاشرہ سراسر غیر اسلامی سے، اکثریت بے دینوں ملحدوں، مفاد پرستوں اور دنیا داروں کی ہے اس لیے اس مشن میں مزاحمت بھی شدید بلکہ شدید تر ہوگی۔

اکتوبر تک کے قلیل ترین عرصہ مہلت میں اب دیکھنا یہ ہے اس شور زدہ اور سخت زمین میں بیج بونے اور اس کے بار آور ہونے کے لیے کیسے سازگار بنایا جاسکتا ہے؟ دینی کی قیادت کے لیے یہ بہت بڑا چیلنج ہے۔ اس کے لیے بڑی حکمت بڑے حوصلہ، قوتِ فیصلہ اور تدبر کے ساتھ واضح، بے غبار اور مثبت حکمتِ عملی کی ضرورت ہے ہماری اور تمام اسلامیان پاکستان کی دل کی دھڑکنیں تمہارے ساتھ ہیں خدا حی و قیوم تمہارا حامی و ناصر ہو۔ (عبدالقیوم حقانی)

قارئین "الحق" سے ضروری گزارش

ماہنامہ "الحق" کے شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نمبر کی اشاعت پر بہت سے قارئین اس انتظار میں ہیں کہ انہیں یہ نمبر معمول کے خریداری چندہ کے عوض میں بھیج دیا جائے گا، بعض حضرات کے خطوط آتے ہیں کہ انہیں اب تک یہ نمبر کیوں وی۔ پی نہ بھیجا جاسکا۔ بہت دوستوں کو یہ شکایت بھی ہے کہ مستقل خریدار ہونے کے ناطے انہیں ۲۰۰ روپے میں کیوں دیا جارہا ہے ــــــ لہٰذا گزارش یہ ہے ۱۲۲۵ صفحات کی یہ ضخیم خصوصی اشاعت جس پر ادارہ کا ساڑھے تین لاکھ روپیہ خرچ آیا ہے۔ تجارتی اشاعتی اداروں کے اصول کے مطابق فی نسخہ ۹۰۰ روپے قیمت ہونی چاہیئے مگر ادارہ نے اپنے مستقل قارئین کو اصل لاگت سے بھی کم صرف ۲۰۰ روپیہ میں یہ عظیم تاریخی دستاویز مہیا کرنے کا فیصلہ کیا ہے، اور ڈاک خرچہ بھی اپنے ذمہ لیا ہے۔ لہٰذا اپنے تمام قارئین سے یہی گزارش ہے کہ وہ بذریعہ منی آرڈر واجبی قیمت ناظم الحق کے نام بھیج دیں اور کوپن پر اپنا صاف پتہ تحریر فرمادیں تاکہ خصوصی اشاعت بھیجی جاسکے۔ آرڈر میں تاخیر دوسرے ایڈیشن کے انتظار کا باعث بھی ہوسکتی ہے۔

(ادارہ)

محترم جناب محمد طاہر صاحب

وسطی ایشیا اور برصغیر پاک و ہند

تاریخی، تہذیبی، ثقافتی، دینی اور علمی رشتوں پر ایک نظر

زیرِ نظر مضمون ایک طویل تر مقالے پر مشتمل ہے جس میں برصغیر پاکستان و ہند اور وسطی ایشیا کے درمیان علمی، ثقافتی اور سیاسی تعلقات کے پس منظر میں وسطی ایشیا کے مطالعے اور اسکی متنوع جہتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مقالے میں بنیادی طور پر فارسی اور اردو زبان میں موجود کتب و مقالات کے حوالے سے گفتگو کی گئی ہے ـــــ برصغیر پاکستان و ہند سے تعلق رکھنے والے بعض اہلِ علم نے مغربی جامعات میں اعلیٰ اسناد کے لیے وسطی ایشیا کی تاریخ و ثقافت یا سیاست پر قلم اٹھایا ہے اور یہ سرمایہ مغربی زبانوں ہی میں چھپا ہے۔

علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کی تاریخ کا جائزہ لیں تو وسطی ایشیا کا خطہ خصوصی اہمیت کا حامل نظر آتا ہے اور بالخصوص اسلامی تاریخ کے تناظر میں وسطی ایشیا شاندار روایات کا امین ہے ... تفسیر کا میدان ہو یا علم الحدیث کا، تدوین فقہ کا جانگداز کام ہو یا تزکیۂ نفوس کیلئے سلاسل تصوف کی خدمات ہر ہر پہلو روشن و تابندہ ہے۔ اس بلندی اور عروج کے باوصف فلکِ پیر نے انتشار و زوال کا منظر بھی دیکھا اور یوں اہم اسلامی مراکز علمی کا دنیائے اسلام سے رابطہ منقطع ہو گیا۔ لیکن حال ہی میں جب سیاسی تبدیلیاں رونما ہوئیں تو وسطی ایشیا کی مسلم ریاستیں بھی آزادی کی منزل سے ہمکنار ہوئیں، ماہنامہ "الحق" اس سلسلے میں مضامین کی اشاعت کا اہتمام کر رہا ہے تاکہ وسطی ایشیا میں موجود علمی ورثہ کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ عروج و زوال کی تاریخ کا ایک تحلیلی جائزہ بھی پیش کیا جا سکے ـــــ ماہنامہ "الحق" کے اس خصوصی سلسلۂ مضامین کیلئے اہل علم و فضل سے قلمی تعاون کی درخواست ہے۔

(عبدالقیوم حقانی)

"وسطی ایشیا" اور برصغیر کے درمیان روابط زمانہ قدیم سے قائم ہیں۔ اثری اکتشافات سے معلوم ہوتا ہے کہ ... ۶ ق۔م سے لے کر ۲۵۰۰ ق۔م کے دور میں ان دونوں خطوں کے درمیان تجارتی روابط تھے کاروان آتے جاتے تھے اور اشیائے خرید و فروخت کے ساتھ دونوں خطوں کے لوگ ایک دوسرے کی تہذیب و ثقافت سے آگاہ تھے، تاہم باہمی روابط کا بھرپور اظہار ظہور اسلام کے بعد ہوا اور دونوں خطوں کی تاریخ میں اشتراک کا عنصر بڑھ گیا۔ تقریباً ایک ہی زمانے میں دونوں خطوں میں اسلام کا پیغام پہنچا۔ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں مسلم مجاہدین کے قدم ایک طرف خراسان تک پہنچ گئے۔

تو دوسری طرف مکران ان کے زیرِ نگین تھا۔ برصغیر اور فارس کے ساتھ تجارتی اور فوجی رابطہ قائم رکھنے کے لیے شط العرب کے کنارے ۶۳۷ء میں بصرہ کی چھاؤنی بسائی گئی۔ اسی سال والئ خراسان عبداللہ بن زیاد نے "وسطی ایشیا" میں پیش قدمی کی۔ دریائے جیحوں کے پار بخارا، سمرقند اور ترمذ پر مسلم بالادستی قائم ہوئی۔ دوسری طرف برصغیر پاکستان و ہند پر فوج کشی سے پہلے "ابن حیلہ" سے رپورٹ طلب کی گئی جس نے ملک کی ویرانی، سرزمین

کی خرابی، اہل وطن کی بے وفائی کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا کہ خلافت راشدہ کی طرف سے برصغیر پر فوج کشی کا ارادہ ترک کر دیا گیا۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں اُس الفتنۃ الکبریٰ نے جنم لیا جس نے نہ صرف فتوحات کا سلسلہ روک دیا بلکہ امتِ مسلمہ کی قوت باہمی اختلاف وانتشار میں ضائع ہونے لگی۔ یہ انتشار تقریباً ۴۵ سال بعد ختم ہوا اور ولید بن عبدالملک کے عہدِ خلافت میں لشکرِ اسلام نے ایک بار پھر پیش قدمی شروع کی۔ قتیبہ بن مسلم باہلی نے خطۂ ماوراءالنہر کے اُن مقامی حکمرانوں کی سرکوبی کی جو مرکز خلافت میں تبدیلی کے ساتھ ہی معاہدوں سے روگردانی کر لیتے تھے۔ قتیبہ نے ماوراءالنہر پر گرفت مضبوط کرنے کے ساتھ کاشغر اور پھر چین پر لشکر کشی کی۔ ولید بن عبدالملک کے عہد ہی میں محمد بن قاسم نے سندھ میں اسلام کا پرچم لہرایا۔ دونوں سپہ سالار اپنی فتوحات کو مستحکم کر رہے تھے کہ ولید کی رحلت پر سلیمان بن عبدالملک سریر آرائے خلافت ہوا اور معمولی سے اختلاف کے ساتھ دونوں جرنیلوں کا انجام یکساں طور پر عبرت ناک ہوا۔

برصغیر پاکستان وہند میں مسلم اقتدار جو محمد بن قاسم کی جدوجہد سے قائم ہوا تھا، وقت کے ساتھ ساتھ کمزور ہوتا چلا گیا اور ایک ایسا وقت آیا جب اِس کا خلافتِ اسلام سے کوئی تعلق نہ رہا۔ اسماعیلی داعیوں نے سندھ اور ملتان کو اپنی سرگرمیوں کی آماجگاہ بنا لیا۔ دوسری طرف "وسطی ایشیا" کے والی خلافت اسلامیہ کی گرفت سے آزاد ہو چکے تھے اور اپنے معاملات میں کلیتاً آزاد تھے تاہم انہوں نے خلافت کی اطاعت کا زبانی ربط قائم رکھا۔ "وسطی ایشیا" کے مہم جو حکمران ایک دوسرے کے خلاف لڑتے رہے اور مختلف حکومتیں بنتی اور بگڑتی رہیں۔ ان میں سے ایک "امارت" ۸۷۴ء میں اسماعیل سامانی نے قائم کی تھی جس کا دارالحکومت بخارا تھا۔ سامانی امارت کی حدود میں ماوراءالنہر، خراسان اور ایران کے کچھ حصے شامل تھے۔ سامانی امیر احمد بن اسماعیل کا ایک ترک غلام الپتگین تھا جسے امیر نصر بن احمد نے اُس کی خدماتِ جلیلہ کے پیشِ نظر آزاد کر دیا تھا۔ بعد میں الپتگین سامانی حکمرانوں کی باہمی چپقلش میں ایک فریق کا ساتھی بن گیا اور جب اس کا حمایت یافتہ فریق امارت حاصل نہ کر سکا تو الپتگین نے اِسی میں بہتری سمجھی کہ بخارا سے دور رہے چنانچہ اُس نے غزنی میں قسمت آزمائی کی اور اپریل ۹۶۲ء میں "امارتِ غزنہ" کی بنیاد رکھی۔ اِس "امارت غزنہ" کے حاکموں ــــــ سبکتگین اور سلطان محمود (بن سبکتگین) نے ہندو شاہی حکمرانوں کے خلاف فوج کشی کی اور پنجاب اُن کے اقتدار میں آ گیا۔ (۱۰۲۱ء) پنجاب تقریباً پونے دو سو سال "امارتِ غزنہ" کا حصہ رہا۔ امارت غزنہ کی طرف سے "نائب السلطنت" لاہور میں رہنے لگا تھا اور آخر میں جب "امارتِ غزنہ" کا آفتاب غزنی میں غروب ہو گیا تو انہوں نے مستقل طور پر لاہور ہی کو پایۂ تخت بنا لیا تھا۔ غزنویوں کے زوال کے ساتھ غوریوں کا سورج طلوع ہوا۔ انہوں نے غزنوی روایت کے مطابق پنجاب پر قبضہ قائم رکھا۔

شہاب الدین محمد غوری کے پنجاب میں قتل پر اُس کے ایک ترک غلام نے برصغیر میں پہلی آزاد مسلم سلطنت کی بنیاد رکھی۔ (۱۲۰۶ء)

جب پنجاب غزنی اور غور کی امارتوں کا حصّہ تھا تو نہ صرف اِن علاقوں سے ہر طبقۂ زندگی کے لوگوں نے پنجاب کا رخ کیا بلکہ ایران اور "وسطی ایشیا" کے تاجر، شعراء، علماء و مبلّغین، سپاہی پیشہ لوگ اور سیاح بھی جوق در جوق آکر پنجاب میں آباد ہونے لگے۔ شیخ اسماعیل بخاری لاہوری پہلے اہم مبلغِ اسلام تھے جو اپنی جنم بھومی، "بخارا"، سے لاہور وارد ہوئے تھے۔ لاہور علم و فضل کا بڑا مرکز بن گیا تھا۔ نائب السلطنت ابراہیم کا ایک وزیر ابو نصر فارسی علم و ادب کا مربّی تھا۔ اُس نے لاہور میں ایک خانقاہ قائم کی جو تشنگانِ علوم کا مرجع تھی۔ "تاریخ سلاطین آل غزنین"، کے الفاظ میں۔

> و جوق جوق تشنگانِ علوم از سائر بلاد ہند و ولایت ہائے کاشغر و ماوراء النہر و عراق و بخارا و سمرقند و خراسان و غزنی و غیر ذلک ازاں خیرات بیح منتفع می شدند چندانکہ یک آبادانی نو در حدودِ لاہور پدید آمد۔

غزنوی دور میں جہاں لاہور راسخ العقیدہ علماء و مشائخ کے لیے اپنے اندر کشش رکھتا تھا، وہیں عقلیت پسند دانش وروں کی آمد و رفت بھی جاری رہی۔ "امارتِ غزنہ" کے بانی سبکتگین کے زمانے میں اسماعیلی داعیوں کی سرگرمیاں بہت بڑھ گئی تھیں جن کے نتیجے میں سامانی امارت ختم ہوئی تھی۔ اسماعیلی دعاۃ نے اپنی دعوت کو فلسفہ کے ساتھ مدغم کر رکھا تھا۔ ۲۔ بو علی سینا اور البیرونی جیسے اہل دانش اسماعیلی تحریک سے وابستہ تھے۔ ۳۔ اور فلسفہ و حکمت میں ایک بلند مقام کے حامل تھے۔ بو علی سینا کے زمانے میں اور بعد میں بھی عراق و خراسان میں فلاسفہ پیدا ہوئے مگر جو قبولِ عام بو علی سینا کو حاصل ہوا وہ کسی دوسرے کو حاصل نہ ہو سکا، حتیٰ کہ اُس کا مرتبہ نظامِ فلسفہ آج "اسلامی فلسفہ" سمجھا جاتا ہے۔

سلطان محمود غزنوی کو جب اسماعیلی باغی تحریک کے مضمرات کا اندازہ ہوا تو اُس نے اس کی بیخ کنی کی کوشش کی۔ پہلے ملتان کی طرف توجہ دی اور اس کے بعد خوارزم کی طرف متوجہ ہوا۔ ۱۰۱۲ء میں فاطمی خلیفہ مصر نے مشرق میں اسماعیلی تحریک کی تنظیم کے لیے ایک سفیر روانہ کیا جسے محمود نے بڑی بے عزتی سے قتل کرا دیا اور ساتھ ہی اسماعیلی داعیوں کی سرگرمیوں کی نگرانی شروع کر دی۔ خوارزم میں بو علی سینا تحریک کا سرخیل تھا۔ محمود غزنوی نے اُسے بلطائف الحیل قابو کرنا چاہا مگر وہ خوارزم سے نکل بھاگا اور مختلف درباروں میں ہوتا ہوا آخر اصفہان جا پہنچا جہاں علاء الدولہ نے جو ایک خلافت بیزار شعوبی تھا، اُس کی قدر و منزلت کی۔ وہیں ۱۰۳۶ء میں بو علی سینا کا انتقال ہوا۔

محمود کو خوارزم کے معاملات میں اُس وقت مداخلت کا موقع مل گیا جب درباریوں نے اُس کے بہنوئی ابوالعباس مامون کو قتل کر دیا تھا۔ (۱۰۱۶ء) خوارزم کی فتح کے بعد محمود کو جن لوگوں پہ ذرا سا بھی شبہ تھا، انہیں سخت سزائیں دیں انہیں معتوبین میں ابوریحان البیرونی بھی تھا جسے جلاوطن کر کے برصغیر بھیج دیا گیا۔ لاہور میں ابوریحان البیرونی نے مسعود غزنوی کے نام پر "قانونِ مسعودی" مرتب کی۔ البیرونی کی کتابوں میں "فی تحقیق ما للہند" ہندوستان کے مذہب فلسفہ و ادب، رسم و رواج، علوم اور قانون کا دائرۃ المعارف ہے۔ صدیاں گزرنے کے باوجود اس کی غیر جانبدارانہ تحقیقات دادِ تحسین وصول کر رہی ہیں۔

۱۲۰۶ء میں قطب الدین ایبک نے برصغیر پاکستان و ہند میں باقاعدہ مسلم سلطنت کی بنیاد رکھی اور مسلم اقتدار ۱۸۵۷ء تک نشیب و فراز سے گزرتا ہوا قائم رہا۔ برصغیر اور بالخصوص شمالی علاقوں کے حکمران خاندانوں میں سیّدوں لودھیوں اور سوریوں کے علاوہ سب ہی کا تعلق کسی نہ کسی واسطے سے "وسطی ایشیا" سے تھا۔ یہ لوگ نسلاً ترک تھے ان کی مادری زبان ترکی تھی مگر ان کے درباروں میں فارسی کو پذیرائی حاصل ہوئی۔ یہ روایت "وسطی ایشیا" میں پروان چڑھی تھی۔ تفسیر و حدیث اور ایک حد تک عقائد و تصوّف کے لیے عربی زبان اپنائی گئی مگر تاریخ و ثقافت کے لیے فارسی کو قبولِ عام حاصل رہا۔ "وسطی ایشیا" کے سامانی، سلجوقی، خوارزم شاہی، ایلخانی اور تیموری ادوار میں نہ صرف ایران و خراسان میں فارسی شعر و ادب نے ترقی کی بلکہ ترکوں کے درمیان جعفر بن محمد رودکی (م ۹۴۰ء) افضل الدین خاقانی شروانی (م ۱۱۹۹ء)، نظامی گنجوی (م ۱۲۰۹ء) مجیر بیلقانی (م ۱۱۹۸ء)، رشید الدین وطواط (م ۱۱۸۲ء) اوحدی مراغی (م ۱۳۳۸ء) کمال خجندی (م ۱۴۰۵ء) جیسے شعراء کا تعلق آج کے "وسطی ایشیا" سے ہے۔ اسی طرح عبدالرزاق سمرقندی (م ۱۴۸۲ء) اور دولت شاہ سمرقندی (م ۱۴۹۴ء) نے اس زمانے میں فارسی تالیفات کے ذریعے نام کمایا جب تیموریوں کے زیرِ اثر ترکی زبان کا رواج بڑھنے سے فارسی ادب انحطاط کا شکار ہو چکا تھا۔

"سلطنتِ دہلی" کے بیسیوں فارسی شعراء میں فضل ملتانی، ناصری، روحانی سمرقندی، بدر چاچ وہ معروف شعراء ہیں جو "وسطی ایشیا" میں پیدا ہوئے اور نقلِ وطن کر کے برصغیر آ گئے تھے۔ امیر خسرو خود تو پٹیالی میں پیدا ہوئے تھے مگر اُن کے والد سیف الدین باہر سے آئے تھے۔ نثر نگاروں میں "جامع الحکایات ولوامع الروایات" اور "لباب الالباب" کے مؤلف سدید الدین محمد عوفی بخارا کے رہنے والے تھے۔ ماوراء النہر اور خراسان کے مختلف شہروں میں زندگی کا ایک حصہ گذار کر برصغیر آئے تھے اور پہلے ناصر الدین قباچہ اور پھر سلطان شمس الدین التتمش کے دربار سے وابستہ ہوئے۔ شعر و ادب سے ہٹ کر مسجد و خانقاہ پر نگاہ ڈالی جائے تو "وسطی ایشیا" کی نمائندگی متاثر کن ہے۔

برصغیر پاکستان و ہند میں سلسلۂ چشتیہ کی بنیاد خواجہ معین الدین چشتی (م ۱۲۳۶ء) نے رکھی تھی۔ وہ سجستان کے

رہنے والے تھے مگر انہوں نے علومِ دینیہ کی تحصیل سمرقند میں کی تھی۔ اُن کے خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (م ۱۲۳۵ء) کا تعلق فرغانہ کے قصبہ اوش سے تھا۔ ایک اور چشتی بزرگ قاضی حمید الدین ناگوری (م ۱۲۹۶ء) کے والد شہاب الدین غوری کے عہد میں بخارا سے دہلی آئے تھے اور وہیں فوت ہوئے۔ خواجہ نظام الدین اولیاء (م ۱۳۲۵ء) بدایوں میں پیدا ہوئے مگر تذکرہ نگار اس امر پر متفق ہیں کہ اُن کے اجداد بخارا سے ترکِ سکونت کر کے برصغیر تشریف لائے تھے۔

سہروردی سلسلے کے پیش رو شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی (م ۱۲۶۶ء) ہیں۔ اُن کی کوششوں سے یہ سلسلہ سندھ ملتان اور بلوچستان میں مقبول ہوا۔ شیخ بہاء الدین زکریاؒ (ضلع مظفر گڑھ) سے ۱۶ میل کے فاصلے پر ایک گاؤں کوٹ کروڑ میں پیدا ہوئے تھے مگر اُن کے ننھیال کا تعلق ترمذ سے تھا اور خود اُن کے دادا کمال الدین علی شاہ قریشی خوارزم سے ملتان آئے تھے۔ شیخ بہاء الدین زکریا نے تعلیم اپنے اجداد کے وطن "وسطی ایشیا" کے شہروں میں حاصل کی۔ اِسی طرح سہروردی بزرگ شیخ جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت (م ۱۳۸۴ء) کے جدِّ امجد سید جلال الدین سرخ بخاری (م ۱۲۹۱ء) بخارا سے ۱۲۳۷ء میں اُوچ آئے تھے۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے بہت سیر و سیاحت کی تھی۔ اگرچہ اُن کے نام سے جو سفر نامے متداول ہیں، سراسر جعلی ہیں۔ مگر اُن کے ملفوظات میں عالم اسلام کے مختلف بلاد و امصار کے بارے میں اُن کے تاثرات کا ذکر ملتا ہے۔ اِسی طرح اُن کے متوسلین بھی "وسطی ایشیا" کے سفر کرتے رہے تھے۔ اُن کے مجموعۂ ملفوظات "سراج الہدایت" کے مرتب کا بیان ہے کہ جب وہ سمرقند پہنچا تو اُسے معلوم ہوا کہ حضرت مخدوم سمرقند گئے تھے۔ اُن سے بھینگے کے استعمال کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے اِس کے مباح ہونے کا فتویٰ دیا۔

نقشبندی سلسلے نے "وسطی ایشیا" کی فضا میں ترقی کی تھی۔ یہ سلسلہ جو وہاں "سلسلۂ خواجگان" کے نام سے معروف ہے، خواجہ احمد آتایسوی (م ۱۱۶۶ء) کے نام منسوب ہے۔ اُن کے بعد خواجہ عبدالخالق غجدوانی (م ۱۱۷۹ء) نے سلسلے کی اشاعت و توسیع میں بڑا کام کیا لیکن اِس سلسلے کی مقبولیت میں خواجہ بہاء الدین نقشبند (م ۱۲۸۸ء) کی توجہات اور سرگرمیوں کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی اور اُن ہی کے نام پر "سلسلۂ نقشبندیہ" مشہور ہوا۔ خواجہ باقی باللہ (م ۱۶۰۳ء) اِس سلسلے کو برصغیر پاکستان و ہند لائے تھے۔ وہ ۱۵۶۴ء میں کابل میں پیدا ہوئے تھے مگر کابل سے سمرقند چلے گئے تھے اور وہاں سے ایران و عراق ہوتے ہوئے برصغیر آئے۔ خود فرمایا کرتے تھے۔

این تخمِ پاک را از سمرقند و بخارا آوردیم و در زمین برکت آگین ہند کشتیم

خواجہ باقی باللہ کے مرید و خلیفہ شیخ احمد مجدد سرہندی (م ۱۶۲۴ء) نے اِس سلسلے کو چار چاند لگا دیے اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کو برصغیر سے باہر افغانستان میں پذیرائی حاصل ہوئی۔ ملا شور بازار (کابل) کا خانوادہ اسی سلسلے سے تعلق رکھتا ہے۔

مذکورہ بالا سلاسلِ تصوّف سے متعلق صوفیاء نے نہ صرف دین کی اشاعت میں حصّہ لیا۔ مخلوقِ خدا کو توحید کا درس

دیا، باہم محبت سکھائی بلکہ انہوں نے اپنی تالیفات، ملفوظات اور مکتوبات کے ذریعے فارسی ادب کو بھی مالا مال کیا۔
برصغیر کے حکمران خانوادوں کی مادری زبان ترکی تھی مگر سرکاری زبان فارسی رہی جو اپنے لہجے اور زبان و بیان کے اعتبار سے "فارس" کے بجائے "وسطی ایشیا" کے زیادہ قریب تھی۔

سلاطین دہلی کے ۳۲۰ سالہ دورِ حکومت میں برصغیر پاکستان و ہند اور "وسطی ایشیا" کے درمیان علمی و ثقافتی روابط کے ساتھ سیاسی سطح پر بھی تعلقات استوار ہوتے۔ یہ روابط کبھی دشمنی اور کبھی دوستی کی مثال پیش کرتے تھے، مگر اتنا واضح ہے کہ "وسطی ایشیا" کے طاقتور حکمرانوں نے برصغیر کو کبھی نظر انداز نہیں کیا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ۱۲۰۶ء میں سلطنتِ دہلی کی باقاعدہ بنیاد پڑی اور اسی سال تموجن (۱۱۵۵ء - ۱۲۲۷ء) منگولوں کا "خان" بنا اور چنگیز کا لقب اختیار کیا جو بعد میں عظیم منگول سلطنت کا بانی ثابت ہوا۔

سلطنتِ دہلی کے سارے عرصے میں دریائے سندھ کے دونوں طرف کا علاقہ ٹکڑوں میں بٹا رہا اور یہاں کوئی پائیدار اور یکساں طرزِ حکومت جڑ نہ پکڑ سکا۔ "وسطی ایشیا" سے آنے والوں کا راستہ غزنی سے ہو کر گزرتا تھا اس لیے برصغیر میں اُن کی تاخت و تاراج کا میدان بنوں اور اس سے ملحق علاقہ تھا۔ کوہِ جُود (کوہستانِ نمک) اور اس کے گرد و نواح کا خطہ "وسطی ایشیا" اور سلطنتِ دہلی کے درمیان BUFFER ZONE کی حیثیت رکھتا تھا۔ "وسطی ایشیا" کے منگول حکمرانوں نے اپنی قوت میں اضافے کے لیے ہمیشہ برصغیر پر اپنی نظریں جمائے رکھیں مگر وہ اسے اپنی سلطنت کا حصہ بنانے کی جگہ اسے لوٹنے سے غرض رکھتے تھے۔ سلاطینِ دہلی کبھی اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ وہ منگولوں کی قوت خود اُن کے وطن جا کر کچل دیتے، تمام لڑائیاں برصغیر کی سرزمین پر لڑی گئیں، تاہم سلاطین دہلی کے رویے میں وقت کے ساتھ تبدیلی پیدا ہوئی۔ ابتداء میں دہلی کے سلاطین کی کوشش رہی کہ وہ منگولوں کے غصے کو دعوت نہ دیں اور مصالحت کے ذریعے کام چلائیں۔ بعد میں اپنی سرحدوں کو مضبوط کرتے ہوئے سلاطینِ دہلی نے ان کے مقابلے کی پالیسی اختیار کی۔ درمیان میں "وسطی ایشیا" میں آنے والی تبدیلیوں نے منگول حکمرانوں کو کبھی دہلی پر حملہ آور ہونے اور کبھی تحائف اور نذرانوں سے لدے ہوئے سفیروں کو بھیجنے پر مجبور کیا۔

سلطنتِ دہلی اور "وسطی ایشیا" کے درمیان پہلا رابطہ چنگیز خان کی زندگی میں ہوا جب وہ جلال الدین خوارزم شاہ کا تعاقب کرتے ہوئے دریائے سندھ تک آگیا تھا۔ خوارزم شاہ جان بچا کر لاہور پہنچا اور دہلی کے ارادے سے چل پڑا اُس نے "دینی اخوت" کے نام پر التمش کو اپنے ساتھ ملا کر چنگیز خان کے خلاف متحدہ محاذ بنانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ التمش نے اپنی داخلی مشکلات اور راجپوت خطرے کے تحت یہی مناسب سمجھا کہ خوارزم شاہ کو دہلی آنے سے حکمت عملی سے روک دیا جائے اور چنگیز خان کی مخالفت مول نہ لی جائے۔ التمش کی پالیسی

کامیاب رہی۔ خوارزم شاہ، التتمش کے مخالف ناصر الدین قباچہ کے زیر انتظام علاقوں میں تاخت و تاراج کرتا رہا اور چنگیز خان واپس چلا گیا۔ چنگیز خان کے مقرر کردہ جرنیلوں نے خوارزم شاہ کا پیچھا جاری رکھا اور اس سلسلے میں تور بی نامی منگول جرنیل نے ملتان پر حملہ کیا مگر پیش آمدہ مزاحمت کے تحت واپس غزنی چلا گیا۔

چنگیز خان کی وفات پر اُس کی عظیم سلطنت اُس کے چار بیٹوں (اور اُن کی اولاد) میں بٹ گئی۔ اوقتائی خان کو خانِ اعظم تسلیم کیا گیا (۱۲۲۹ء) اور مغربی منگولیا اُس کے زیرِ نگین تھا۔ کاشغر اور ماوراء النہر کے بڑے حصے یعنی "وسطی ایشیا" پر چغتائی خان کی حکومت تھی۔ جوجی کے اخلاف کو قبچاق کا علاقہ ملا اور چنگیز خان کے سب سے چھوٹے بیٹے تُلی کو منگولوں کا اصل وطن یعنی مشرقی منگولیا کا علاقہ ملا۔ ۱۲۴۱ء میں اوقتائی خان کے انتقال کے بعد چنگیز کی اولاد میں بالادستی کی جدوجہد شروع ہوئی اور ہلاکو خان ایران میں ایلخانی سلطنت قائم کرنے میں کامیاب ہوا۔

سلطنت دہلی کا تعلق "وسطی ایشیا" کے چغتائیوں اور ایران کے ایلخانیوں سے رہا۔ التتمش کی زندگی میں تو منگولوں نے برصغیر پر حملہ نہ کیا مگر التتمش کے کمزور جانشینوں نے منگولوں کو حملہ آور ہونے کے مواقع فراہم کیے منگول رہنما بہادر تائر نے لاہور کا محاصرہ کیا اور ۲۱ دسمبر ۱۲۴۱ء کو اس اہم سرحدی شہر پر قبضہ کر لیا۔ چار سال بعد ملتان اور اوچ اُن کی ترک تازیوں کا نشانہ بنے۔ سلطان ناصر الدین محمود کے بھائی جلال الدین مسعود نے حصولِ اقتدار میں ناکامی کے بعد "وسطی ایشیا" کے منگو خان کے دربار میں پناہ حاصل کی۔ بعد میں اوچ اور ملتان کے معزول گورنر شیر خان نے بھی یہی راستہ اختیار کیا۔ منگو خان کے احکام پر منگول جرنیل سالی بہادر نے لاہور اور جالندھر پر قبضہ کر کے جلال الدین مسعود کو یہاں امیر بنا دیا۔ جلال الدین مسعود کے بعد کیخسرو نے کیقباد کے خلاف غزنی کے منگول گورنر سے مدد حاصل کرنے کی کوشش کی، اگرچہ وہ جلال الدین مسعود کی طرح کامیاب نہ ہو سکا تھا۔

ہلاکو خان نے سقوطِ بغداد (۱۲۵۸ء) کے بعد سلطنتِ دہلی کے ساتھ خوشگوار دوستانہ تعلقات استوار کیے اور اُس کی زندگی میں برصغیر پر کوئی حملہ نہ ہوا تاہم ہلاکو خان کے پوتے، عبداللہ خان نے ۱۲۹۲ء میں برصغیر پر حملہ کیا مگر جلد ہی دوستانہ روایت کی تجدید کر لی۔ جلال الدین خلجی (۱۲۹۰ء۔ ۱۲۹۶ء) اور اُس کے درمیان تحائف کا تبادلہ ہوا۔ ایک منگول سردار الغو خان سے جلال الدین خلجی کی ایک بیٹی بیاہی گئی، خان نے اسلام قبول کیا اور برصغیر کو اُس نے اپنا وطن بنا لیا تھا۔ خلجی دور میں ایران کے ایلخانیوں کے تعلقات برصغیر سے دوستانہ رہے مگر "وسطی ایشیا" کے چغتائیوں نے یکے بعد دیگرے سات حملے کیے۔ تغلق عہد میں چغتائیوں کی پالیسی میں تبدیلی آئی۔ اولاً ۱۳۰۶ء میں دیوا کی وفات پر "وسطی ایشیا" عدم استحکام کا شکار ہو گیا تھا اور چغتائیوں کی باہمی

لڑائیوں نے انہیں اتنا کمزور کر دیا تھا کہ اُن کے لیے بیرونی مہمات ممکن نہ تھیں۔ ثانیاً تغلق عہد کے معاصر چغتائی حکمرانوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور خصوصاً یہ اپنے ایلخانی بھائی بندوں کے بجائے تغلق حکمرانوں کے قریب تھے جو اُن کی طرح سُنی المسلک تھے۔ معاصر مؤرخین نے یہ بھی اطلاع دی ہے کہ سلطان محمد تغلق، ترماشیرین اور مصر کے سلطان الناصر نے ایران کے شیعہ ایلخانی حاکم ابوسعید کے خلاف حملہ آور ہونے کی خاطر متحدہ محاذ بنا لیا تھا (۲۸-۱۳۲۷ء) مگر اُن کا یہ مشترکہ حملہ ایلخانی حکومت کے خلاف اِس لیے نہ ہو سکا کہ "وسطی ایشیا" میں ترماشیرین کو اقتدار سے محروم ہونا پڑ گیا (۱۳۳۴ء) نیز ابوسعید اور سلطان الناصر کے درمیان دوستی ہو گئی تھی۔ بدلے ہوئے حالات میں محمد بن تغلق نے بھی ابوسعید سے دوستانہ روابط استوار کر لیے۔ سلطان فیروز تغلق کے عہدِ حکومت میں منگولوں نے دیپال پور پر حملہ کیا مگر شکست کھا کر واپس ہوئے۔

اِس کے بعد "وسطی ایشیا" سے آنے والوں حملہ آوروں میں اہم ترین نام امیر تیمور کا ہے جس نے ۱۳۹۸ء میں دہلی کو تاراج کیا۔ تیمور سید خضر خان کو مفتوحہ علاقوں کا گورنر بناتے ہوئے سمرقند واپس چلا گیا۔ سید خضر خان امیر تیمور کی زندگی میں اپنے آپ کو اُس کا نائب سمجھتا رہا اور گاہے گاہے امیر تیمور کو تحائف بھیجتا رہا۔ تیمور کی وفات (م ۱۴۰۴ء) کے بعد اُس کے جانشین شاہ رخ مرزا سے سید خضر خان نے اپنی وفاداری کا اظہار کیا اور حسبِ معمول سید خضر خان کی سلطنت میں اُن کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا رہا۔ سید مبارک شاہ نے اپنے والد (سید خضر خان) کی روایت پر عمل کرتے ہوئے تیموری حکمرانوں سے روابط قائم رکھے اور سید خاندان کے اِس اظہارِ اطاعت نے ظہیر الدین بابر کو یہ دعویٰ کرنے کا موقع فراہم کیا کہ برصغیر اُس کے اجداد کی راجدھانی ہے

برصغیر پاکستان و ہند میں سلطنتِ دہلی کی جگہ مغل بادشاہت کے قیام سے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ بابر خود "وسطی ایشیا" سے تعلق رکھتا تھا اور اُسے قیام برصغیر کے چار پانچ برسوں میں سمرقند کی یاد ستاتی رہی تھی۔ مغل سلطنت میں پنجاب اور موجودہ افغانستان کے وہ علاقے شامل تھے جو سلطنت دہلی کے دور میں یا تو BuFFER ONE کی حیثیت رکھتے تھے یا "وسطی ایشیا" کے حکمرانوں کے زیرِ نگین تھے۔ بابر کو حکومت کے چار سال ملے اور اِس کے جانشین نصیر الدین ہمایوں کو دس سال بعد تخت چھوڑ کر ایران کی خاک چھاننی پڑی۔ جب پندرہ سال بعد اُسے ایرانی امداد و تعاون کے ساتھ دوبارہ تخت حاصل ہوا تو ایک ٹھوکر نے اُس کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔ مغل بادشاہت کا حقیقی جلال و جبروت جلال الدین اکبر اور اِس کے جانشینوں کے ذریعے قائم ہوا۔

اکبر کے زمانے سے "وسطی ایشیا" پر شیبانی حکمرانی کر رہے تھے اور ایک حد تک مغل بادشاہت کے مخالف ہمسائے تھے مگر دونوں بادشاہتوں کے حکمران اپنے اپنے مسائل میں الجھے رہے۔ شاہجہاں کے

عہد میں بخارا اور سمرقند پر امام قلی کی حکومت تھی اور بلخ و بدخشاں پر اُس کا چھوٹا بھائی نذر محمد حاکم تھا۔ ۱۶۲۹ء میں نذر محمد نے کابل پر حملہ کیا اور اس کے ایک اہم درّے بامیان پر قبضہ کر لیا لیکن شاہجہاں کی فوجی قوت سے آگاہ ہونے پر اپنی غلطی کا احساس کرتے ہوئے اس نے معافی مانگ کر فوجیں پیچھے ہٹالیں۔ اس طرح جو کدورت اور عداوت پیدا ہوئی تھی، ختم ہوگئی۔ ۱۶۴۲ء میں امام قلی کی بینائی جاتی رہی تو نذر محمد نے بخارا اور سمرقند پر بھی قبضہ کر لیا۔ نذر محمد ایک غیر مقبول حکمران ثابت ہوا۔ عوام نے بغاوت کرتے ہوئے اس کے بیٹے عبدالعزیز کو اپنا بادشاہ بنا لیا تو نذر محمد اور عبدالعزیز یعنی باپ بیٹے کے درمیان اقتدار کی کشمکش شروع ہوگئی۔ نذر محمد نے شاہجہاں سے فوجی امداد کی درخواست کی۔ شاہجہاں کو اپنے اجداد کی سرزمین میں اثر و رسوخ بڑھانے کا خداداد موقع مل رہا تھا چنانچہ اُس نے بظاہر نذر محمد کی امداد اور حقیقتاً اپنے اجداد کی راجدھانی میں اثر و رسوخ پیدا کرنے کے لیے شہزادہ مراد کی سرکردگی میں مغل فوج روانہ کر دی۔ (۱۶۴۶ء)

مغل فوج نے ابتداءً نذر محمد کی امداد کی لیکن بعد ازاں اُسے شکست دے کر بخارا و سمرقند پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنا لیا۔ بلخ اور بدخشاں پر مغل فوج قابض ہوگئی اور نذر محمد بھاگ کر ایران چلا گیا۔ ایران کے معاصر صفوی حکمران (شاہ عباس) نے شاہجہاں کے خلاف، نذر محمد کی امداد کا اعلان کر دیا۔ شہزادہ مراد جنگ سے اُکتا کر واپس آگیا اور ازبکوں نے مغل فوج کو قزاقانہ طریقِ جنگ اختیار کرتے ہوئے خوب تنگ کیا چنانچہ، ۱۶۴۷ء میں اورنگ زیب کی نگرانی میں دوسری مہم روانہ کی گئی۔ اورنگ زیب نے عبدالعزیز شاہ بخارا کو شکست دی۔ جب دونوں باپ بیٹا اپنے اپنے مقاصد میں ناکام ہوگئے تو باپ نذر محمد نے شاہجہاں سے درخواست کی کہ بدخشاں اسے واپس کر دیا جائے، دریں اثنا شاہجہاں اور اس کے جرنیلوں کو بھی یہ احساس ہوگیا تھا کہ "وسطی ایشیا" کی فتح اور اس پر قبضہ قائم رکھنا خسارے کا سودا ہے، چنانچہ نذر محمد کی درخواست پر نہ صرف بدخشاں اُسے دے دیا گیا بلکہ دوسرے مفتوحہ علاقے بھی اُس کی جھولی میں ڈال دیئے گئے۔ "وسطی ایشیا" کی مہم میں جانی و مالی نقصان نے مغل بادشاہوں پر واضح کر دیا کہ "وسطی ایشیا" میں قسمت آزمائی کی چنداں ضرورت نہیں۔ اورنگ زیب عالمگیر نے ۵۱ سالہ دورِ حکومت میں جنوبی ہند پر توجہ دی اور اس کی رحلت کے بعد مغلوں کا دورِ زوال شروع ہوگیا تھا جس میں اپنی حفاظت کرنا اُن کے لیے مسئلہ تھا، چہ جائیکہ "وسطی ایشیا" کے لیے کوئی مہم روانہ کی جاتی۔

مغل بادشاہت میں "وسطی ایشیا" سے سیاسی روابط میں حکمرانوں کو چنداں کامیابی نہیں ہوئی مگر ثقافتی و علمی سطح پر روابط میں کوئی کمی بھی نہ آئی۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے اکبر کے ابتدائی چالیس سالہ عہد حکمرانی کے واقعات "منتخب التواریخ" میں لکھے ہیں جس کا تیسرا حصہ اکبری دور کے مشائخ و علماء اور حکماء و شعراء کے احوال و آثار کے تعارف کے لیے وقف ہے۔ اس پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مقامی اہل علم و دانش

کے ساتھ بہت سے لوگ "وسطی ایشیا" سے یہاں آئے اور نام کمایا۔ خواجہ عبید اللہ احرار کے پوتے خواجہ عبد الشہید کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ

سمرقند سے ہندوستان آکر یہاں اٹھارہ سال بسر کیے۔ ۹۸۲ھ ف ۵ ۷ ۔ ۲، ۱۵۷ء میں فرمایا کرتے تھے، ہماری رحلت کا وقت قریب آچکا ہے اور یہ ہمارے لیے لازمی ہے کہ ہم اپنی ہڈیوں کو سمرقند میں اپنے آبائی قبرستان میں پہنچا دیں۔ خواجہ صاحب کے سمرقند پہنچنے کے دو تین دن بعد اس دنیا سے رخصت ہو گئے ۔

شیخ یعقوب صرفی عہد ہمایونی واکبری کے بلند پایہ عالم، صوفی اور شاعر تھے۔ انہوں نے اپنے مرشد شیخ حسین خوارزمی سے ملاقات کے لیے "وسطی ایشیا" کا سفر اختیار کیا۔ "وسطی ایشیا" اور مشرق وسطی کی اپنی سیاحت کے بارے میں انہوں نے "مغازی النبی" کے آغاز میں مفید معلومات فراہم کی ہیں۔ اسی طرح عہد اکبری کے مولانا سعید ترکستانی، حافظ تاشقندی، قاضی نظام بدخشی، ملا پیر محمد شروانی، مرزا مفلس ازبک جیسے اہل علم کا تعلق "وسطی ایشیا" سے تھا۔ شعراء اور علماء کے ساتھ بیسیوں سپاہی پیشہ "وسطی ایشیا" سے آکر یہاں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے ۔

جہاں تک تجارتی روابط کا تعلق ہے، "وسطی ایشیا" کا سامان برصغیر پاکستان و ہند کے بازاروں میں بکتا تھا۔ "وسطی ایشیا" میں شیبانیوں کے بعد استرخانی برسر اقتدار آئے اور ان کے دور (۱۵۹۷ء ۔ ۱۶۸۰ء) میں "وسطی ایشیا" خیوا، فرغانہ اور قازق کی آزاد و خود مختار ریاستوں میں بٹ گیا۔ یہ حکمران عہد زوال کے حکمرانوں کی طرح باہم برسر پیکار رہے اور ان کے مشترکہ حریف ان پر تسلط حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہے۔ اسی زمانے میں برصغیر کی مغل بادشاہت کمزور سے کمزور تر ہوتی جا رہی تھی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے اثر و رسوخ میں بتدریج اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے اقتدار کا آغاز برصغیر پاکستان و ہند کے مشرق یعنی بنگال سے ہوا اور بتدریج مغرب کی طرف پھیلتا گیا۔ انیسویں صدی کے نصف اوّل میں برطانوی اختیار و اقتدار دریائے سندھ تک پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ ہی بین الاقوامی سطح پر برطانوی قوت میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ دوسری استعماری طاقتوں کے اس کی عداوت و مخالفت فطری تھی ۔

یورپی سیاست میں نپولین بوناپارٹ (۱۷۶۹ء ۔ ۱۸۲۱ء) برطانیہ کو زک پہنچانے کی فکر میں تھا۔ ۱۸۰۱ء میں اس نے زار روس پال اوّل کے ساتھ مل کر برصغیر پاکستان و ہند در آنے کا پروگرام بنایا۔ منصوبے کے مطابق فرانس اور روس کی مشترکہ فوجیں استرخان میں جمع ہوتیں اور ایران کے تعاون سے ہرات اور قندھار کے راستے درۂ بولان پہنچتیں اور برصغیر پاکستان و ہند میں داخل ہو جاتیں، مگر اس سے پہلے کہ افواج باقاعدہ نقل و حرکت کرتیں، زار روس کی موت نے اس منصوبے کو خاک میں ملا دیا۔

یورپ میں نپولین کے زوال پر برطانیہ کو یہ حیثیت حاصل ہوگئی تھی کہ اسے کوئی چیلنج کرنے والا نہ تھا۔ بحیرۂ روم اور بحر ہند پر اس کا مکمل تسلط تھا اور وہ مشرق میں من مانی کرنے کی پوزیشن میں تھا۔ روس کے لیے یہ سب کچھ برداشت کیے بغیر کوئی چارہ نہ تھا بلکہ اسے اس بات کا شدید خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ برطانوی اقتدار افغانستان کے راستے وسطی ایشیا تک آسکتا ہے۔ وسطی ایشیا میں روس کے اہم تجارتی مفادات تھے۔

اس کے برعکس برطانوی پالیسی سازوں کو نظر آ رہا تھا کہ روس جنوب کی طرف بتدریج بڑھ رہا ہے۔ خیوا، بخارا خوقند اور قازق میدانوں پر اس کی نظر ہے اور اگر روس واقعی آگے بڑھتا ہے تو اس کا راستہ روکنے کی کیا سبیل ہوگی؟ کیا خیوا اور بخارا کے "خان" روس کے ریچھ کو روکنے کی پوزیشن میں ہیں؟ کیا ان کے ساتھ تعاون ہوسکتا ہے؟ اور اگر کبھی ایسٹ انڈیا کمپنی کو اپنے مفادات کے تحفظ کوئی اقدام کرنا پڑتا ہے تو صورتِ حال کیا ہوگی؟۔

اس پس منظر میں برطانوی ہند کے پالیسی سازوں نے ایلچیوں اور جاسوسوں کے ذریعے افغانستان اور وسطی ایشیا کے بارے میں معلومات اکٹھی کرنی شروع کیں۔ ان بظاہر سیاحوں اور بباطن جاسوسوں نے نہ صرف اپنی خفیہ رپورٹوں میں وسطی ایشیا کے مسلمان حکمرانوں کے ساتھ تعلقات کے قیام اور استحکام پر رائے دی بلکہ ان کی فوجی قوت کے جائزے پیش کیے۔ فوجی اہمیت کی حامل جگہوں اور خطے کی جغرافیائی ساخت پر نقشے مرتب کیے۔ ان میں چند ایک نے اپنے ذوقِ تالیف کی تسکین کے لیے سفری یادداشتیں اور تاثرات لکھے ہیں۔ برطانوی نژاد سیاحوں اور ایلچیوں کے ساتھ محکمۂ تعلیم کے منشیوں اور پنڈتوں، نیز آثارِ قدیمہ کے ماہرین سے بھی خوب خوب استفادہ کیا گیا۔ ایلچیوں اور سیاحوں کا یہ آنا جانا یکطرفہ نہ تھا۔ روس کے زار بھی افغانستان اور پنجاب میں اپنے نمائندوں کے ذریعے حالات سے باخبر رہتے تھے۔

۱۸۵۷ء میں ناکام جنگِ آزادی کے بعد شمالی ہند پر مکمل برطانوی قبضہ ہوگیا اور کمپنی کی جگہ تاجِ برطانیہ نے پالیسی سازی سنبھال لی۔ ۱۸۵۷ء کے بعد برطانوی پالیسی یہ رہی کہ روس افغانستان کے معاملات میں مداخلت نہ کرے اور وسطی ایشیا میں اس کی طرف سے کوئی ایسی مداخلت نہ ہو جس سے زار شاہی کو شکایت پیدا ہو۔

روس۔ برطانیہ تعلقات کی سردمہری کے باوجود وسطی ایشیا اور برصغیر پاکستان و ہند کے درمیان تجارتی و ثقافتی روابط حسبِ سابق قائم رہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی نے برکات احمد ٹونکی کے بارے میں لکھا ہے کہ۔

> وسطِ ایشیا، ترکستان کے شہروں خصوصاً بخارا، تاشقند وغیرہ سے شروع کرکے بنگال کے آخری حدود تک چلے جاؤ۔ تقریباً ہر بڑے شہر میں آپ کا کوئی نہ کوئی شاگرد ضرور نظر آئے گا مگر آپ خصوصیت کے ساتھ ابنِ سینا، طوسی، قوشجی، دوانی، خوانساری، میر باقر داماد کی کتابیں پڑھاتے تھے جو اس زمانے میں صرف ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ شاید دنیائے اسلام میں بھی نہیں پڑھائی

جاتی تھیں اور ماوراء النہر کے طلبہ میں ان مصنفین کی کتابوں کے پڑھنے کا خاص ذوق تھا۔

حواشی

۱۔ تاریخ سلاطین آل غزنین بحوالہ شیخ محمد اکرام، آب کوثر، لاہور، فیروز سنز لمیٹڈ (۱۹۷۱ء) ص ۶۵

۲۔ محمد بن عبدالکریم شہرستانی [MUSLIM SECTS AND DIVISIONS] "کتاب الملل والنحل" کے ایک حصہ کا ترجمہ جو مسلم فرقوں سے متعلق ہے۔ از اے۔ کے۔ قاضی اور جے۔ جی فلائن] لندن: کیگن پال انٹرنیشنل (۱۹۸۴ء) ص ۱۶۵

۳۔ شبیر احمد، قرونِ وسطیٰ کے ہندوستان میں فلسفہ و حکمت کا آغاز و ارتقاء، اقبال ریویو (کراچی) جنوری ۱۹۶۷ء، ص ۱۶

بوعلی سینا کے اسماعیلی ربط کے لیے دیکھیے، اس کی خود نوشت "سیرۃ الشیخ الرئیس" (عربی) ۔ اصل متن اور اس کے انگریزی ترجمے کے لیے دیکھیے، ولیم۔ ای۔ گوہلمین THE LIFE OF IBN SINA: A CRITICAL EDITION AND ANNOTATED TRANSLATION نیویارک: اسٹیٹ یونیورسٹی آف نیویارک پریس (۱۹۷۴ء) ص ۱۸-۱۹ نیز ص ۱۲۰

۴۔ تفصیلی بحث کے لیے دیکھیے، محمد ایوب قادری، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت، کراچی: ایچ۔ ایم سعید کمپنی (۱۹۷۵ء) ص ۸۲-۸۸

۵۔ بحوالہ خلیق احمد نظامی، تاریخ مشائخ چشت، اسلام آباد، دار المؤلفین (س۔ن) ص ۱۳۱

۶۔ "وسطی ایشیا" سے متعلق سلاطینِ دہلی کی پالیسی کے لیے دیکھیے: آغا حسین ہمدانی THE FRONTIER POLICY OF THE DELHI SULTANS اسلام آباد، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت (۱۹۸۶ء) یار محمد خان۔ STUDIES IN THE HISTORY OF INDO-PAKISTAN SUBCONTINENT لاہور، ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان (۱۹۹۱ء) ص ۷۳-۱۰۵

۷۔ ظہیر الدین محمد بابر کی خود نوشت "توزک بابری" میں سمرقند کا ذکر دیکھیے۔ ایک موقع پر بابر نے لکھا ہے کہ "تمام عالم میں سمرقند کے برابر کوئی شہر لطیف نہ ہوگا۔" بابر نامہ (ترجمہ: مرزا نصیر الدین حیدر)، کراچی: بک لینڈ (۱۹۶۲ء) ص ۴۳

۸۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے: سید معین الحق PRINCE AWRANGZIB: A STUDY کراچی پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی (۱۹۶۲ء) ص ۱۸-۲۴

۹۔ ملا عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ (ترجمہ) لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز (۱۹۶۲ء) ص ۵۸۲-۵۸۳

۱۰۔ دیکھیے: محمد عبداللہ قریشی، شیخ یعقوب صرفی، ماہنامہ ادبی دنیا (لاہور) کشمیر نمبر (مارچ۔ اپریل ۱۹۶۶ء) ص ۲۱۵-۲۳۱، نیز غلام رسول خان، شیخ یعقوب صرفی کا دورۂ ایران و وسطِ ایشیا، دانش (اسلام آباد) فروری ۱۹۹۳ء، ص ۲۱۱-۲۳۱

۱۱۔ مناظر احسن گیلانی، مقالہ "برکات احمد ٹونکی"، معارف (اعظم گڑھ) ص ۲۲۲۔

پروفیسر محمد اسلم صاحب

برِّصغیر پاک و ہند میں

اسلام کی آمد اور تبلیغِ دین

عرب و ہند کے تجارتی تعلقات زمانہ قدیم سے چلے آتے ہیں اور زمانہ قبل از اسلام میں عربوں کے تجارتی جنوبی ہند کی بندرگاہوں میں رکتے ہوئے جزائر شرق الہند تک جایا کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بحرین کے گورنر عثمان بن ابی العاص رضؓ الثقفی کے بھائی حکم بن ابی العاص رضؓ نے بحری بیڑہ تیار کر کے تھانہ اور بھڑوچ پر حملے کیے۔ ان کے ایک دوسرے بھائی مغیرہ نے دیبل پر بڑا کامیاب حملہ کیا۔ مسلمانوں کو چونکہ بحری جنگوں کا کوئی تجربہ نہ تھا اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بحری جنگوں کی مخالفت کی اور بحرین کے گورنر کو لکھا کہ وہ آئندہ اس قسم کی غلطی کا ارتکاب نہ کریں۔ علامہ بلاذری لکھتے ہیں کہ۔

"حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سندھ میں بڑی دلچسپی لیتے تھے اور وہاں کے حالات سے بخوبی واقف تھے۔"

حضرت امیر معاویہ رضؓ کے جرنیل المہلب نے متعدد بار سندھ کے سرحدی شہروں پر حملے کیے لیکن انہیں سرحدی جھڑپوں سے زیادہ وقعت نہیں دی جاسکتی۔ اموی عہد میں سندھ کے حکمران راجہ داہر نے مکران کے گورنر سعید بن اسلم کو قتل کر کے عربوں کی مخالفت مول لے لی چند سال بعد جب سندھی قزاقوں نے عربوں کے چند جہاز لوٹ لیے تو مجبوراً عربوں کو سندھ پر حملہ کرنا پڑا۔ حجاج بن یوسف نے جو مملکت اسلامیہ کے مشرقی صوبوں کا گورنر جنرل تھا اپنے داماد اور بھتیجے محمد بن قاسم کو فوج دے کر سندھ روانہ کیا اور اس نوجوان فاتح نے سندھیوں کے دلوں پر اپنی تلوار کی دھاک بٹھادی۔

محمد بن قاسم کا مقصد محض کشور کشائی نہ تھا، اس لیے وہ جہاں بھی گیا اس نے تبلیغ اسلام کو بڑی اہمیت دی۔ میر محمد معصوم بھکری کی روایت کے مطابق سب سے پہلے سندھ کی چند قوم نے اسلام قبول کیا۔ علامہ بلاذری رحؒ لکھتے ہیں کہ محمد بن قاسم نے دیبل کی فتح کے بعد وہاں چار ہزار مسلمان آباد کیے اور ایک مسجد تعمیر کرائی اسی طرح محمد بن قاسم نے داہر کے دارالحکومت ارور کی فتح کے بعد وہاں بھی ایک مسجد بنائی۔ میر محمد معصوم بھکری کی روایت

ہے کہ محمد بن قاسم نے مالِ غنیمت کے خمس سے ہر شہر اور قصبہ میں مساجد تعمیر کرائیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ محمد بن قاسم نے ان مساجد کو آباد رکھنے کے لیے پورے سندھ میں مسلمان آباد کیے تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کو تبلیغِ اسلام کا بڑا خیال تھا۔ چنانچہ انہوں نے سندھی امیروں کے نام خط تحریر کرائے جن میں ان کو دعوتِ اسلام دی گئی تھی۔ ان کی اس دعوت پر جو سندھی اُمراء مشرف باسلام ہوئے ان میں راجہ داہر کا فرزند جے سنگھ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ عمر بن عبدالعزیز کو سندھی نومسلموں کی تربیت کا اتنا خیال تھا کہ انہوں نے اہم شہروں کی مساجد میں علماء کو خطیب بنا کر بھیجا۔ جب مشہور سیاح ابنِ بطوطہ اپنی سیاحت کے دوران سیہون آیا تو وہاں کے خطیب نے اسے عمر بن عبدالعزیزؒ کا وہ فرمان دکھایا جس کے جدِ اعلیٰ الشیبانی کو جامع مسجد سیہون کا خطیب مقرر کرنے کا ذکر تھا۔

سندھ میں تبلیغ اسلام کے ساتھ ساتھ علومِ اسلامیہ کے مدارس کھُل گئے اور پورے ملک میں علوم اسلامیہ کا چرچا ہونے لگا۔ ابوحفص ربیع بصریؒ کا شمار تبع تابعین میں ہوتا ہے۔ آپ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اور بڑے ثقہ محدث تسلیم کیے جاتے ہیں اور ان کے شاگردوں میں امام ابوسفیان ثوریؒ اور وکیع جیسے فضلاء دہر کے نام آتے ہیں۔ انہوں نے سندھ میں احادیث نبویؐ کا درس جاری کیا۔ ابوحفصؒ جیسے بزرگوں نے جو شمع علم سندھ میں روشن کی تھی اس کی ضو سے پورا سندھ روشن ہوگیا اور سندھ نے بڑے نامی گرامی علماء پیدا کیے۔

ابومعشر سندھیؒ کا شمار اُن محدثین میں ہوتا ہے جنہوں نے بغداد جا کر عربوں کو حدیث نبویؐ کا درس دیا۔ خلیفہ بغداد کے ہاں ان کی اتنی قدر و منزلت تھی کہ جب ان کا انتقال ہوا تو ان کی نماز جنازہ خود خلیفہ بغداد نے پڑھائی۔ اسی طرح سندھ نے ابوعطا سندھیؒ جیسا قادر الکلام شاعر پیدا کیا جس کے قصائد نے عربی ادب کی مشہور کتاب "الحماسہ" میں عربی شعراء کے قصائد کے ساتھ جگہ پائی۔ اسی عہد میں ابوعلی سندھیؒ نام کے ایک بڑے عابد و زاہد بزرگ ہوئے ہیں، کہا جاتا ہے کہ مشہور صوفی بایزید بسطامیؒ نے ان سے تصوّف کی تعلیم پائی تھی یاقوت الحموی کی روایت کے مطابق ایک اور سندھی فاضل ابوجعفر محمد بن اسماعیلؒ دیبلی مکہ مکرمہ میں جا بسے تھے ان کا شمار بھی محدثین میں ہوتا تھا۔ ان کے ایک بیٹے ابراہیم کا نام بھی حدیث کے راویوں میں آتا ہے۔ یہ دونوں باپ بیٹا مکہ میں حدیث کا درس دیا کرتے تھے اور ان کی سند سے عرب محدثین حدیثیں روایت کیا کرتے تھے۔ غرض یہ کہ دیکھتے ہی دیکھتے دیبل سے لے کر ملتان تک اسلامی تہذیب و تمدن کی جڑیں بڑی مضبوط ہوگئیں۔

شہرۂ آفاق مورخ اور جغرافیہ نویس المقدسی جب "احسن التقاسیم" لکھنے بیٹھا تو اُن دنوں ملتان کے نواحی قصبات میں حنفی بڑی تعداد میں موجود تھے اور لوگ صلاح و تقویٰ سے آراستہ تھے۔ ابن حوقل نے سندھ کے

شہر بلری میں صالح الحال لوگوں کی موجودگی کی نشاندھی کی ہے۔ البلاذری نے ملتان، کابل اور کشمیر کے درمیان ایک شہر عیسفان کا ذکر کیا ہے۔ وہاں کے ہندو راجہ کا فرزند بیمار پڑا اور اس کی زندگی کے لالے پڑ گئے۔ اس نے اپنے پروہتوں سے دعا کی التماس کی، انہوں نے اپنے معبود کے سامنے شہزادے کی صحت یابی کی دعا کی جو بے اثر ثابت ہوئی اور شہزادہ راہی ملک بقا ہوا۔ راجہ نے خفا ہو کر اپنی سلطنت کے تمام بت مسمار کرا دیئے اور مسلمان تاجروں کو بلا کر ان کے سامنے اسلام قبول کر لیا۔ علامہ بلاذری لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ خلیفہ معتصم باللہ کے عہد کا ہے ——— عرب تاجروں کی مساعی جمیلہ سے گجرات میں بھی اسلامی اثرات نفوذ کرنے لگے تھے۔ یاقوت الحموی، الاصطخری اور ابن حوقل رقمطراز ہیں کہ ساحل گجرات پر چیمور نام کی ایک بندرگاہ تھی۔ جہاں بلہرا نامی ایک ہندو راجہ حکمران تھا۔ بلہرا کا سلوک مسلمانوں کے ساتھ بہت اچھا تھا اور عرب تجار اس کی مملکت میں آباد ہونے لگے تھے۔ جب ۳۰۴ھ/۹۱۶ء میں مسعودی بغرض سیاحت چیمور آیا تو وہاں دس ہزار کے لگ بھگ عرب اور مخلوط النسل مسلمان آباد تھے۔ مسلمانوں نے بلہرا کی مملکت میں مساجد تعمیر کر لی تھیں۔ جہاں پانچوں وقت اذان ہوا کرتی تھی۔ مسعود نے گجرات کے متعدد ساحلی مقامات پر مسلمانوں کی موجودگی کی نشاندہی کی تھی وہ جہاں بھی گیا، مسلمانوں کو فارغ البال اور مرفہ الحال پایا۔

چیمور سے کچھ آگے سندان نام کے ایک شہر کا ذکر ملتا ہے۔ قاضی اطہر مبارک پوری لکھتے ہیں کہ سندان موجود مہاراشٹر اور گجرات کے درمیان بمبئی سنٹرل ریلوے اسٹیشن سے شمال کی طرف ۱۴۵ کلو میٹر اور سورت سے جنوب کی طرف ۱۱۸ کلو میٹر پر ایک معمولی اسٹیشن ہے۔ قدیم عرب جغرافیہ نویس اور مؤرخ اسے سندان لکھتے ہیں۔ مگر آج کل مقامی زبان میں اسے سنجان کہا جاتا ہے۔

ابوالفضل نے بھی آئین اکبری میں سنجان ہی لکھا ہے اور اسے جالہ وارہ کا پرگنہ بتایا ہے۔ قدیم زمانہ میں یہ بلاد ہند کا مشہور شہر اور بندرگاہ تھی اور یہاں بحری تجارت کی عالمی منڈی تھی۔ جب علامہ بلاذری فتوح البلدان لکھنے بیٹھے تو انہیں معلوم ہوا کہ وہاں کی جامع مسجد میں مامون الرشید کے لیے دعا مانگی جاتی ہے۔

ڈاکٹر تارا چند کی تحقیق کے مطابق بمبئی کے نواح میں چال، کلیان اور سوپارہ میں ظہورِ اسلام سے قبل عربوں کی آبادی کا سراغ مل گیا ہے۔ ظہورِ اسلام کے بعد ساحل مالا بار پر ایک عربی النسل قوم نوائت آباد ہوئی جن کا پیشہ جہاز رانی تھا۔ جنوبی ہندوستان کے ساحل پر اسلام کی تبلیغ اور علوم اسلامیہ کی اشاعت میں ان کا بڑا ہاتھ ہے۔ ڈاکٹر تارا چند نے کولم میں عربوں کے ایک قدیم ترین قبرستان کا پتہ لگایا ہے جہاں علی بن عثمان نامی ایک شخص کی قبر پر ۱۶۶ھ کا ایک کتبہ نصب ہے اسی طرح بمبئی کے قریب تھانہ میں بھی مسلمان قدیم الایام سے آباد ہیں۔ جب ۱۸۸۲ء میں گزیٹیر آف تھانہ ڈسٹرکٹ مرتب ہوا تو وہاں آٹھ سو سال کی پرانی قبریں موجود

تھیں۔ اسی طرح ساحل مالا بار پر موپلہ قوم بھی قدیم الایام سے آباد ہے یہ لوگ جہاز ران تھے اور مصر و عرب اور ہندوستان کے درمیان تجارت کرتے تھے۔ ابن بطوطہ نے ساحل مالا بار پر چودھویں صدی کے نصف اول میں سفر کیا تھا اور یہ بات اس کے اطمینان کا باعث تھی کہ پورے علاقہ میں مسلمانوں کی بستیاں موجود تھیں جہاں وہ خوشحال اور فارغ البالی سے زندگی بسر کر رہے تھے جب تک اس علاقہ پر پرتگیزوں نے حملہ نہیں کیا تھا ساحل مالا بار پر مسلمان چھائے ہوئے تھے۔

جنوبی ہندوستان کا مشرقی ساحل "معبر" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا یہاں عرب ساتویں صدی میں آباد ہونا شروع ہو گئے تھے عربوں کے تجارتی جہاز جو عرب اور جزائر شرق الہند کے درمیان سامان لایا اور لے جایا کرتے تھے، وہ اکثر یہاں لنگر انداز ہوا کرتے تھے۔ ڈاکٹر تارا چندر کی تحقیق کے مطابق یہاں بھی مسلمان بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ جب دکن کی ہندو ریاست وجیانگر نے ان مسلمانوں کی زندگی اجیرن کر دی تو وہ اس علاقے سے ہجرت کر کے جزائر شرق الہند چلے گئے۔ آج جنوب مشرقی ایشیا نے جس قدر مسلمان نظر آتے ہیں یہ انہی مہاجروں کی تبلیغ کا نتیجہ ہیں جو ساحل معبر سے وہاں جا کر آباد ہوئے تھے۔

برصغیر پاک و ہند میں قدم جماتے ہوئے بزرگانِ دین نے تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کا کام شروع کیا تھا۔ المقدسی کی ملاقات منصورہ میں قاضی ابا محمد المنصوری سے ہوئی تھی۔ موصوف امام داؤد ظاہری کے پیرو تھے اور ان کے مسلک کی حمایت میں انہوں نے متعدد کتابیں لکھی تھیں۔ سلطان محمود کے لاہور پر قبضہ سے بہت پہلے یہاں اسماعیل بخاری تفسیر اور حدیث کا درس دیا کرتے تھے مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے یہیں اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "کشف المحجوب" تحریر فرمائی تھی۔

سلطنتِ دہلی سے پہلے لاہور میں مولوی اسحاق کا مدرسہ بہت مشہور تھا جہاں سے سلطان سخی سرورؒ جیسے کامیاب مُبلغ فارغ التحصیل ہو کر نکلے تھے۔ حسن صغانی لاہوری کا شمار دنیائے اسلام کے نامور علماء میں ہوتا ہے موصوف عربی لغت کے امام مانے جاتے تھے اور عرب میں ان کے کمال فن کے معترف ہیں۔ ناصر الدین قباچہ نے ملتان میں ایک مدرسہ بنوایا تھا جہاں علامۂ روزگار قطب الدینؒ کاشانی درس دیا کرتے تھے۔

حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ ملتانی نے ایک چھوٹے سے گاؤں کوٹ کروڑ میں ایک قاری سے ساتوں قرأتوں میں قرآن پڑھنا سیکھا تھا۔ حضرت زکریاؒ کی خانقاہ اپنے زمانہ میں علم و ادب کی گہوارہ سمجھی جاتی تھی۔ سید امیر حسینی نے اسی جگہ "نزہت الارواح"، "زاد المسافرین" اور "کنز الرموز" جیسی کتابیں تحریر فرمائی تھیں۔ فخر الدین عراقی جیسے قادر الکلام شاعر نے اپنی زندگی کے بیس سال اسی خانقاہ میں بسر کیے۔ التمش کے عہد میں بخارا کے ایک عالم ابو توامہ حنبلی نے سنار گاؤں میں سکونت اختیار کر لی اور اس شہر کو علم حدیث کا ایک مرکز بنا دیا۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے پاس ایک بہت اچھا کتب خانہ تھا اور آپ کا ایک مرید کتابوں کی نقلیں تیار کرنے پر مامور تھا۔

آمدم برسرمطلب شمالی ہندوستان میں تبلیغ کا فریضہ صوفیائے کرام نے انجام دیا ان بزرگوں میں سے خواجہ معین الدین اجمیریؒ بڑے کامیاب مبلغ ثابت ہوئے۔ انہوں نے راجستھان کے قلب میں اسلام کی شمع روشن کی جس کی ضو سے پورے ہندوستان سے ظلمت کی گھٹائیں چھٹ گئیں۔

شمالی بنگال اور آسام میں تبلیغ اسلام کا فریضہ شیخ جلال الدین تبریزیؒ اور شاہ جلال مجرد سلہٹیؒ نے انجام دیا۔ مؤخر الذکر بزرگ اپنے سات سو مریدین کے ساتھ بنگال میں داخل ہوئے اور انہوں نے سلہٹ کے ہندو حکمران گوڑ گوبند کو شکست دے کر سلہٹ میں قیام فرمایا۔ آپ کے سوانح نگار عبدالجلیل بسمل رقمطراز ہیں کہ آپ جو علاقہ فتح کرتے وہ ایک مرید کی نگرانی میں دے کر خود آگے بڑھ جاتے اور وہ مرید اس علاقہ میں تبلیغ دین کے فرائض پورے کرتا۔ آپ نے اپنے تمام ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ شادیاں کریں تاکہ اس علاقے میں مسلمان آبادی میں اضافہ ہو۔ آپ کے مریدوں نے پورے بنگال اور آسام میں تبلیغی کاموں میں بڑی سرگرمی دکھائی اور غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد کو مشرف بہ اسلام کیا۔

لاہور میں جن دنوں ابھی ہندوؤں کی حکومت تھی بخارا سے شیخ اسماعیلؒ نام کے ایک بزرگ یہاں آکر مقیم ہوگئے۔ مفتی غلام سرور رقمطراز ہیں کہ وہ جمعہ کے روز وعظ کیا کرتے تھے اور ان کا وعظ اتنا پُر تاثیر ہوا کرتا تھا کہ سینکڑوں کی تعداد میں غیر مسلم کلمۂ توحید پڑھ کر مسلمان ہوا کرتے تھے آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے لاہور میں تفسیر و حدیث کا درس جاری کیا۔

حضرت اسماعیل بخاریؒ کے بعد لاہور میں سید علی ہجویری المشہور داتا گنج بخشؒ تشریف لائے۔ آپ کی توجہ سے لاہور کا ایک نامی گرامی جوگی اپنے چیلوں سمیت مشرف باسلام ہوا۔ آپ نے لاہور میں ہی "کشف المحجوب" قلمبند فرمائی۔ جو تصوّف کے موضوع پر فارسی زبان میں اوّلین کتاب ہے۔

بلخ کے مشہور صوفی ابواسحاق گازرونیؒ کے بھتیجے شیخ صفی الدین گازرونیؒ (م ۱۰۰۷ء) سلطان محمود غزنوی کی تخت نشینی سے بھی پہلے سابق ریاست بہاولپور کے مشہور روحانی مرکز اوچہ میں آکر مقیم ہوئے۔ ان کی تبلیغی کوششوں سے بہت سے غیر مسلم دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ ان کی وفات کے تقریباً ایک صدی بعد شاہ یوسف گردیزیؒ نے ملتان کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ ان کی سعی و کاوش بار آور ہوئی اور ان کے ہاتھ پر بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔

سلطنت دہلی کے قیام سے قبل پنجاب میں سلطان سخی سرورؒ نے بڑا کام کیا تھا اور آج صدیاں گذر

جانے کے بعد بھی پنجاب کے جاٹوں پر ان کا اثر نمایاں ہے۔ جنوب مغربی پنجاب میں حضرت بہاؤ الدین ذکریا بڑے کامیاب مبلغ ہو گذرے ہیں ان کی سعی و کاوش سے بہت سی غیر مسلم قومیں دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں جن میں کھچی قوم قابل ذکر ہے۔ آپ کے ایک مرید حضرت موسیٰ نواب نے بھی کئی ایک غیر مسلم قبائل مسلمان کئے۔ اسی طرح آپ کے ایک اور مرید سید جلال بخاریؒ نے چڈھر، سیال، داہر اور کئی ہندو قوموں کو مسلمان کیا۔ ان کے پوتے مخدوم جہانیاں سید جلال الدین جہانگشت کے ہاتھ پر کھرل قوم مشرف باسلام ہوئی۔

حضرت بہاؤ الدین کے پوتے شاہ رکن عالم کے مرید شیخ حمید الدینؒ حاکم نے مومبارک کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ سکھر اور اوچہ کے درمیان میں ان کی سعی و کاوش سے بہت سے گمراہوں نے راہِ ہدایت پائی۔ گزٹیئر آف ملتان ڈسٹرکٹ کی روایت ہے کہ مخدوم محمد غوث اچی کے ایک مرید مخدوم شیر شاہ نے سوا لاکھ کے قریب غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں داخل کیا تھا۔

بابا فرید الدین گنج شکرؒ بھی بڑے کامیاب مبلغ ثابت ہوئے اور ان کی کوششوں سے پنجاب کے بہت سے غیر مسلم قبائل نے اسلام قبول کیا۔ وٹو، سیال اور ٹوانے آپ ہی کی تبلیغ سے متاثر ہو کر مسلمان ہوئے تھے۔ بعض حضرات کے خیال میں جنوبی پنجاب کے غیر مسلموں کو مسلمان کرنے میں آپ کی کوششوں کو بڑا دخل ہے۔

بابا صاحبؒ کے ایک پوتے شیخ تاج الدینؒ نے بیکانیر کے علاقہ میں متعدد راجپوت خاندانوں کو مسلمان کیا جس کی وجہ سے غیر مسلم راجپوت ان کے درپے آزار ہوئے۔ تقسیم ملک سے قبل پانی پت کے نواح میں جو مسلمان راجپوت آباد تھے ان کا کہنا تھا کہ ان کے مورث اعلیٰ امیر سنگھ کو حضرت بو علی قلندرؒ نے مشرف باسلام کیا۔

دکن کا علاقہ سلطان علاؤالدین خلجی اور اس کے نامور جرنیل ملک کافور کی توجہ کا خاص مرکز بنا رہا۔ ان دونوں نے دکن میں جو معرکے سر کیے ان سے دکن کے قلب میں تبلیغ اسلام کے راستے کھل گئے اور بہت سے صوفیاءِ کرام نے شمالی ہندوستان کی سکونت ترک کر کے دکن کو اپنا مسکن بنایا۔ انہی ایام میں سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ نے دکن میں تبلیغ اسلام پر خصوصی توجہ دی۔ آپ نے اپنے ایک جلیل القدر خلیفے حضرت برہان الدین غریبؒ کو چار سو درویشوں کے ہمراہ تبلیغ اسلام کے لیے دکن بھیجا۔ سلطان المشائخ کے جانشین حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے خلیفے حضرت بندہ نواز گیسو دراز نے بھی گلبرگہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی آپ کی سعی و کاوش سے کفار کی ایک بڑی جماعت نے اسلام قبول کیا۔

جن دنوں صوفیائے کرام دکن پر خصوصی توجہ دے رہے تھے انہی ایام میں سلطان محمد بن تغلق کے دل میں بھی دکن میں تبلیغ اسلام کا خیال آیا۔ اس نے دکن میں اسلام کا ایک مضبوط مرکز قائم کرنے کے ارادے سے دولت آباد کو پایۂ تخت بنایا۔ دولت آباد کی ٹکسال میں اس نے جو سکے مضروب کیے ان پر قبتہ الاسلام اور دارالاسلام کے

الفاظ منقوش ہیں جو خصوصی توجہ کے مستحق ہیں۔ سلطان کے دل میں تبلیغ اسلام کا جو جذبہ پایا جاتا تھا اس کی عکاسی اسی واقعہ سے بخوبی ہو جاتی ہے کہ ایک بار اس نے حضرت سلطان المشائخؒ کے مرید شمس الدین کو بلا کر یہ کہا کہ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ تجھ جیسا عالم بیکار پڑا ہے تمہیں چاہیئے کہ کشمیر جا کر کسی بت خانہ میں ڈیرہ لگاؤ اور اس دیار کے غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دو۔

سلطان محمد بن تغلق کے جانشین سلطان فیروز تغلق نے بھی تبلیغ اسلام میں بڑی سرگرمی دکھائی۔ سلطان اپنی تالیف "فتوحات فیروز شاہی" میں رقمطراز ہے کہ ہمیں توفیق ملی کہ ذمیوں کو دینِ ہدیٰ کی طرف رغبت دلائیں۔ ہم نے یہ اعلان کیا کہ کافروں میں سے جو کوئی بھی کلمۂ توحید پڑھ کر اسلام قبول کرے گا جیسا کہ شریعت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں آیا ہے اس سے جزیہ ہٹا لیا جائے گا۔ یہ آواز سب کے کانوں تک پہنچا دی اور ہندوؤں نے فوج در فوج اور گروہ در گروہ اسلام قبول کیا۔ اور اسی طرح آج تک وہ ہر طرف سے آکر اسلام قبول کرتے ہیں۔

بسا اوقات ایسے مواقع اتفاقیہ پیش آ گئے کہ کسی بزرگ کے ہاتھ پر صدہا غیر مسلم کفر و شرک سے تائب ہوئے جب جہانگیر نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کو قلعہ گوالیہ میں محبوس کیا تو اسی کی سعی و کاوش سے صدہا قیدی مشرف باسلام ہوئے۔ جب وہ قیدی سزا بھگت کر رہا ہوئے تو ان کی اکثریت سرہند میں حضرت مجدد صاحبؒ کے قرب میں جا بسی۔ پانچ پشتیں گذرنے کے بعد جب صاحبزادہ کمال الدین محمد احسان اپنی تصنیف لکھنے بیٹھے تو ان نومسلموں کی اولاد ہنوز سرہند میں موجود تھی۔

کشمیر میں حضرت سید بلبل شاہ اور امیر کبیر سید علی ہمدانی کی کوششوں سے بہت بڑی تعداد میں لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور آج وادی کشمیر میں جو مسلمانوں کی اکثریت ہے یہ انہی بزرگوں کی کوششوں کا نتیجہ ہے عمل صالح میں محمد صالح کنبو لکھتا ہے کہ کشمیر کے سفر کے دوران جب شاہجہان بھنبر پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ اس جگہ بہت سے ہندوؤں نے مسلمان عورتوں سے شادیاں کی ہوئی ہیں یہ سنتے ہی بادشاہ نے حکم دیا کہ جن غیر مسلموں نے مسلم عورتوں سے شادی کی ہوئی ہے وہ مسلمان ہو جائیں ورنہ ان عورتوں کو ان سے الگ کر دیا جائے گا۔ محمد صالح کی روایت ہے کہ اس موقع پر بہت سے ہندوؤں نے اسلام قبول کر لیا۔

بقیہ صا ۵۱ سے

انہوں نے کہا کہ پہلے میرا خدا پر یقین نہیں تھا مگر اب مجھے یقین ہے کہ خدا موجود ہے اور اب زندگی کو سمجھنا آسان ہے۔

ڈینس بیکر نے کہا وہ اور ان کے چار دیگر فوجی ساتھیوں نے اپنے ملک واپس جا کر اکٹھا عبادت جاری رکھنے کا فیصلہ ہے اور ہم اپنی پرانی عادتیں چھوڑنے میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

انہوں نے کہا کہ مسلمان بننا اتنا آسان نہیں ہے جتنا لگتا ہے بہت بڑی ذمہ داری ہے یہ زندگی کا ایک طریقہ ہے اور آپ کو دوسرے کیلئے ایک مثال بننا ہوتا ہے۔

حضرت مولانا محمد طاسین مدظلہ
صدر مجلس علمی کراچی

مروّجہ استحصالی ظالمانہ معاشی نظام کا خاتمہ
اور
اس کی جگہ اسلام کے عادلانہ معاشی نظام کا قیام اور استحکام

ایک نہایت اہم لیکن مشکل ترین مسئلہ اور اس کے حل کا طریق کار !

ذیل کا مقالہ امریکی نیو ورلڈ آرڈر، مروّجہ نظام ہائے عالم، اور بین الاقوامی حالات کے تناظر میں اہل اسلام کے لیے فکری، علمی اور عملی اعتبار سے کرنے کے اصل کام کی طرف ترغیب اور عالمی سطح پر ایک عظیم چیلنج کا مقابلہ کرنے کی انگیخت ہے مضمون میں بعض جگہ حضرت مولانا محمد طاسین مدظلہ کی طرزِ تعبیر، لائحہ عمل کے بعض فکری خطوط اور کام کرنے کے اہداف میں ترجیحات سے اختلاف تو کیا جا سکتا ہے مگر نفسِ مسئلہ کی اہمیت اور اجتماعی طور پر کام کرنے کی فوری ضرورت سے انکار، ایک حقیقت کا انکار ہوگا "الحق" اپنے رائے محفوظ رکھتے ہوئے فوری ضرورت کے اس اہم مسئلہ پر قارئین کو مثبت، سنجیدہ اور متین فکری سوچ پر مبنی علمی اور تحقیقی کام کی دعوت دیتا ہے ہر ایسی معیاری تحریر کے لیے الحق کے صفحات حاضر ہیں جو فکری اور علمی معیار کے ساتھ ساتھ عالمی سطح پر عملی اقدام کی انگیخت کا ذریعہ ہوں۔

(ادارہ)

ایک نہایت ہی اہم لیکن ساتھ ہی مشکل ترین مسئلہ جو آج پاکستان جیسے مسلم ممالک کو ہر جگہ درپیش اور اپنے حل کا شدید تقاضا کر رہا ہے وہ یہ کہ اُن کے ہاں فی الوقت معاشی ظلم و استحصال پر مبنی جو سرمایۂ دارانہ اور جاگیردارانہ معاشی نظام، قائم اور رائج ہے اس کو کس طرح ختم کیا اور اس کی جگہ اسلام کا عادلانہ معاشی نظام کس طریقہ سے عمل میں لایا جائے ؟

یہ مسئلہ ایسے مسلمان زعماء و مصلحین کے لیے سخت بے چینی اور شدید پریشانی کا باعث بنا ہوا ہے جو اپنے نام نہاد اسلامی معاشروں کو حقیقی اور صحیح معنوں میں اسلامی معاشرے بنانے کی اپنے اندر سچی تمنا و تڑپ رکھتے اور بالیقین یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک مسئلہ مذکور حل نہیں ہوجاتا کوئی معاشرہ حقیقی طور پر اسلامی معاشرہ نہیں بن سکتا لہٰذا وہ پوری توجہ کے ساتھ اس مسئلہ کا اطمینان بخش حل تجویز اور تلاش کرنے میں سرگرماں اور مصروف ہیں، میری یہ تحریر بھی اسی مقصد اور اسی مسئلہ سے متعلق ہے۔

جن وجوہ کی بنا پر مسئلہ مذکور نہایت اہم ہے ان میں سے ایک خاص اور نمایاں وجہ یہ کہ بدنصیبی سے آج ہمارے نام نہاد مسلم معاشروں میں بڑی کثرت کے ساتھ جو گوناگوں انفرادی اور اجتماعی برائیاں اور طرح طرح کی جو سماجی، معاشرتی، معاشی، سیاسی اور ثقافتی خرابیاں اور بدعنوانیاں ہیں غور سے دیکھا جائے تو اُن کے اسباب میں سے بڑا سبب وہ سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ معاشی نظام ہے جو ان معاشروں میں موجود اور بروئے کار ہے کیونکہ اس نظام کی یہ فطرت اور ذاتی خاصیت ہے کہ وہ افراد معاشرہ کو معاشی طور پر اعلیٰ اور ادنیٰ دو بالکل مختلف طبقوں میں منقسم کرتا اور بھیانک قسم کے غیر فطری معاشی عدم توازن کا باعث بنتا ہے ایک طرف بہت تھوڑی تعداد میں گویا پانچ فیصد سے بھی کم ایسے افراد ہوتے ہیں جن کے قبضہ میں قومی دولت اور وسائل دولت کا بہت بڑا حصہ ہوتا، بڑے بڑے قطعات اراضی، عالیشان عمارات، کارخانوں، فیکٹریوں، تجارتی مراکز اور کاروباری اداروں کے مالک کہلاتے اور نہایت شان و شوکت، عیش و عشرت اور امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ سے اعلیٰ معیار کی زندگی گذارتے اور اپنی مالداری و دولت مندی کا فاخرانہ انداز سے اظہار کرکے دوسروں پر اپنی برتری جتلانے اور رعب جماتے ہیں، اور دوسری طرف پچانوے فیصد سے بھی زائد افراد کی معاشی حالت ایسی ہوتی ہے کہ اُن کو یا تو سادہ سے سادہ شکل اور معمولی سے معمولی معیار میں باقاعدگی کے ساتھ بنیادی معاشی ضروریات تک میسر نہیں ہوتیں نہ پیٹ بھر کر دو وقت معمولی کھانا ملتا، نہ تن ڈھانپنے کے لیے مناسب لباس، نہ رہنے سہنے کے لیے سادہ سا گھر میسر ہوتا، اور نہ علاج و تعلیم کی کوئی سہولت نصیب ہوتی ہے لہٰذا یہ معاشی لحاظ سے ہمیشہ بدحال و پریشان رہتے ہیں، اور یا پھر اگر اُن میں سے کچھ افراد کو بنیادی معاشی ضروریات کسی نہ کسی شکل میں ہمیشہ میسر ہوتی ہیں یعنی ان کی اتنی آمدنی ہوتی ہے جس سے روزمرّہ کی ضروریات تو کسی طرح پوری ہو جاتی ہیں لیکن کل کے لیے کچھ بچتا بچاتا نہیں، گویا ضرورت سے زیادہ رزق و مال کمانے کے راستے اُن پر مسدود ہوتے ہیں وہ خواہ کتنی ہی کوشش اور جدوجہد کریں ضرورت سے زیادہ کچھ حاصل نہیں کرسکتے لہٰذا ہنگامی اور ناگہانی ضروریات کے وقت ان کو معاشی پریشانی کا ضرور سامنا کرنا پڑتا ہے، دراصل یہی وہ لوگ ہیں جو کھیتوں، کارخانوں منڈیوں، بازاروں، دکانوں اور دفتروں میں کام محنت کرتے اور قومی

معیشت کی گاڑی چلاتے ہیں لیکن اُن کو اُن کی سعی و محنت کا پھل بہت کم ملتا ہے اُس کا بڑا حصہ زمیندار، کارخانہ دار، ساہوکار، کمپنیوں کے ڈائرکٹر اور سربراہ ہتھیا لیتے ہیں جو ذرائع پیداوار اور سرمائے کے مالک ہوتے ہیں بہرحال یہ حقیقت واقعہ اور عام مشاہدہ ہے کہ سرمایہ دارانہ معاشی نظام کے اندر قومی دولت و ثروت چند ہاتھوں میں سمٹنی اور افراد کے درمیان غیر فطری قسم کا معاشی نشیب و فراز ظہور میں آتا ہے ایک طرف انتہائی امیر و خوشحال اور دوسری طرف انتہائی غریب و خستہ حال لوگ وجود میں آتے ہیں اور اس غیر فطری معاشی عدم توازن سے معاشرے میں مختلف قسم کی انفرادی اور اجتماعی برائیوں کا ظہور میں آنا ایک قدرتی امر ہے جن سے اسلام اپنے مجوزہ صالح معاشرے کو پاک صاف رکھنا چاہتا ہے کیونکہ اُن کے ذریعے عام بدامنی و بے چینی پیدا ہوتی اور اجتماعی فلاح و بہبود پر منفی اثر پڑتا ہے۔

غرض یہ کہ کسی معاشرے کے صحیح معنوں میں اسلامی معاشرہ بننے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اندر ظلم و استحصال پر مبنی جو سرمایہ دارانہ معاشی نظام رائج و موجود ہے وہ ختم اور اس کی جگہ اسلام کا عادلانہ معاشی نظام قائم و رائج ہو لہٰذا اِس سے اُس اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو مسئلہ مذکور کو حاصل ہے۔

ایک دوسری وجہ جس سے مسئلہ مذکور کی غیر معمولی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے وہ یہ کہ عہد حاضر کو معاشیات کا عہد بھی کہا جاتا ہے مطلب یہ کہ عہد حاضر میں زندگی کے معاشی مسئلے کی اہمیت اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ گویا یہ مرکزی اور بنیادی مسئلہ ہے باقی سب مسائل اس کے مقابلہ میں ثانوی حیثیت رکھتے ہیں آج کا انسان سب سے پہلے اپنے معاشی مسئلے کا اطمینان بخش حل چاہتا ہے جتنی دلچسپی اس کو معاشی مسئلے سے ہے اتنی دوسرے کسی مسئلہ سے نہیں، معاشی مسئلے کی اہمیت اس کے نزدیک اس قدر بڑھ چکی ہے کہ آج کسی نظام حیات کے اچھے بُرے اور قابل قبول اور قابل ردّ ہونے کا معیار یہ بن کر رہ گیا ہے کہ معاشی مسئلے کا حل وہ کیا پیش کرتا ہے اگر اس کا پیش کردہ حل بہتر اور اطمینان بخش ہے تو وہ نظام حیات قابل قبول ہے خواہ دوسرے پہلوؤں سے اس کے اندر کتنی ہی خامیاں اور برائیاں کیوں نہ پائی جاتی ہو، اس کے برعکس جس نظام حیات کا پیش کردہ معاشی لائحہ عمل اچھا اور اطمینان بخش نہیں وہ اچھا اور قابل قبول نہیں بلکہ قابل ردّ ہے اگرچہ دوسرے پہلوؤں سے اُس کے اندر کتنی ہی خوبیاں اور اچھائیاں کیوں نہ موجود ہوں، اور یہ کہ معاشی مسئلے کا سب سے بہتر اور مثالی حل وہ ہو سکتا ہے جس سے معاشرے کے سو فیصد افراد کو معاشی خوشحالی بھی حاصل ہوتی اور معاشی ترقی کا بھی موقع ملتا ہو۔ اور چونکہ اسلام کے معاشی نظام کے اندر یہ خوبی اور صلاحیت پوری طرح موجود ہے کہ جو معاشرہ اس پر عمل کرے اُس کے ہر ہر فرد کو معاشی خوشحالی بھی نصیب ہو سکتی اور معاشی ترقی کا بھی مناسب موقع مل سکتا ہے لہٰذا عہد حاضر میں اس کو کسی مسلم معاشرے کے اندر عملی طور پر پیش کرنا اور بروئے کار لانا، دنیا میں اسلامی نظام حیات کی مقبولیت اور حقانیت کا بہترین

ذریعہ اور مؤثر وسیلہ ثابت ہو سکتا ہے، اور چونکہ مسئلہ مذکور کا اس سے گہرا تعلق ہے لہٰذا اس سے بھی اس کی اہمیت پر روشنی پڑتی اور اس کا اہم ہونا ثابت اور واضح ہوتا ہے، مسئلہ مذکور کے اہم ہونے کی کچھ اور وجوہ بھی ہیں لیکن میں بغرض اختصار صرف مذکورہ دو وجوہ کے بیان پر اکتفا کرتا ہوں جن سے اس کی غیر معمولی اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

مسئلہ مذکور کے مشکل ترین مسئلہ ہونے کی جو وجوہات ہیں ان میں سے پہلی وجہ یہ کہ فی الوقت مثلاً ہمارے ملک پاکستان میں سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ معاشی نظام قائم و رائج ہے چونکہ طویل عرصہ سے ہے لہٰذا اس کی جڑیں خاصی گہری اور مضبوط ہیں عام لوگوں کے لیے جانا پہچانا اور مانوس نظام ہے نیز اس کے ساتھ معاشرے کے جس طبقہ کے معاشرتی، معاشی اور سیاسی مفادات وابستہ ہیں وہ طبقہ اثر و رسوخ اور قوت و اقتدار کے لحاظ سے معاشرے میں اعلیٰ اور ممتاز حیثیت و مرتبہ رکھتا ہے حکومت اور اس کے مختلف اداروں میں اس طبقہ کی مؤثر نمائندگی اور اس کی پوزیشن نہایت مستحکم ہے اجتماعی امور و معاملات صرف اس طبقہ کی مرضی سے طے پاتے اور چلتے ہیں معاشرے کے باقی افراد اس طبقہ کے طے کردہ فیصلوں کو ماننے اور ان کی پابندی پر مجبور ہوتے ہیں خواہ دل سے کتنے ہی ناراض و ناخوش کیوں نہ ہوں چونکہ اس طبقہ کی معاشرے میں ہر لحاظ سے جو بالاتر اور ممتاز حیثیت و مرتبت ہے وہ مروجہ معاشی نظام کی وجہ سے ہے لہٰذا وہ اپنے مختلف مفادات اور اپنی ممتاز اور بالاتر حیثیت کے تحفظ کی خاطر ضروری سمجھتا ہے کہ موجودہ معاشی نظام اپنی حالت پر قائم و برقرار رہے اور اس میں کوئی ایسی تبدیلی نہ آنے پائے جس سے اس کے مفادات کو نقصان پہنچتا اور اس کی حیثیت متاثر و مجروح ہوتی یا ہو سکتی ہو خواہ وہ تبدیلی دین اسلام کے عین مطابق ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ اس طبقہ کے اکثر لوگ دین اسلام سے صرف اس حد تک دلچسپی رکھنے اور اس کو مانتے ہیں جس حد تک ان کے مفادات کو نقصان نہ پہنچتا ہو، بہرحال سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کا یہ طبقہ موجودہ معاشی نظام کو ہر صورت میں قائم رکھنا چاہتا اور ہر طریقہ سے اس کا تحفظ کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے، جو لوگ اس نظام کو بدلنے کی بات کرتے اُن کو یہ طبقہ اپنا بدترین دشمن قرار دیتا اور اُن کے خلاف تمام ایسے حربے استعمال کرنا ضروری گردانتا ہے جن سے ان کی زبان بند اور ان کی عملی کوشش اور جدوجہد ختم ہو سکتی ہو۔ اس سلسلہ میں وہ نرمی و سختی اور ترغیب و ترہیب دونوں سے کام لیتا اور تبدیلی چاہنے والوں کو ان کی راہ سے ہٹاتا ہے، معاشی نظام میں تبدیلی چاہنے والے بلحاظ تعداد عظیم اکثریت میں ہونے کے باوجود مالی وسائل کی کمی اور باہمی تنظیم کی غیر موجودگی کی وجہ سے کچھ نہیں کر سکتے اس لیے بھی کہ حکومت وقت مخالف طبقہ کے افراد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اُن کے خلاف ہوتی ہے اگر وہ جوش جذبے میں کوئی قدم اٹھاتے ہیں تو انتظامیہ تشدد کے ذریعے اُن کو روکتی اور کچل دیتی ہے۔ اس سلسلہ میں اُن کی طرف سے جو پرامن مطالبات کیے جاتے ہیں مختلف طریقوں سے ٹال دیئے جاتے اور بلحاظ نتیجہ فضول

ابت ہوتے ہیں یعنی کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہیں ہوتا جس سے حالات میں کوئی خوشگوار تبدیلی نظر آئے۔

غور فرمائیے کسی معاشرے میں موجود جس معاشی نظام کو داخلی اور اندرونی طور پر معاشرے کے بااثر اور طاقتور افراد کی پرزور حمایت و تائید حاصل ہو وہ اس کو ہر طریقہ سے بحال و برقرار رکھنا چاہتے ہوں اس معاشی نظام کو بدلنے اور ختم کرنے کا مسئلہ کتنا مشکل اور دشوار مسئلہ ہو سکتا ہے اور پھر جب کہ اس نظام کو بیرونی اور خارجی طور پر زبردست حمایت و تائید حاصل ہو یعنی جن غیر مسلم ملکوں اور معاشروں سے اس مسلم معاشرے سیاسی اور معاشی روابط و تعلقات ہوں اور وہ سیاسی طور پر اُن کے تابع و زیر اثر اور معاشی طور پر اُن کا محتاج اور دست نگر بلکہ مقروض ہو وہ بھی یہی چاہتے ہوں کہ جس طرح اُن کے ہاں سرمایہ دارانہ معاشی نظام ہے اسی طرح اس مسلم ملک و معاشرے میں بھی سرمایہ دارانہ معاشی نظام قائم و برقرار رہے اور اس میں کوئی ایسی تبدیلی نہ ہونے پائے جس سے اُن کے مفادات کو گزند اور نقصان پہنچتا ہو تو ایسی صورت میں اس معاشی نظام کو تبدیل کرنا بہت ہی سہے اس میں رائج اور موجود سرمایہ دارانہ و جاگیر دارانہ معاشی نظام کو بحال و برقرار رکھنے کی حمایت و تائید اندرونی و داخلی طور پر موجود ہے اور بیرونی و خارجی طور پر بھی موجود ہ پاکستان کے جن مغربی ممالک سے معاشی اور سیاسی تعلقات ہیں اُن کی پوری خواہش اور کوشش ہے کہ پاکستان میں جو معاشی نظام فی الوقت موجود ہے وہ برابر قائم و برقرار رہے لہٰذا اس کو بدلنے اور ختم کرنے کا مسئلہ اگرچہ محال و ناممکن نہیں لیکن بے حد مشکل ضرور ہے کوئی حقیقت پسند انسان اس کا انکار نہیں کر سکتا۔

یہاں یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ کسی ملک و معاشرے میں رائج جمے جمائے مستحکم نظام کو تبدیل اور ختم کرنے کے اصولی طور پر دو ہی طریقے ہو سکتے ہیں ایک تدریجی اصلاح کا طریقہ اور دوسرا فوری انقلاب کا طریقہ۔ تدریجی اصلاح کے طریقہ کا مطلب ہے کہ کسی فاسد نظام کو پرامن طور پر رفتہ رفتہ بدلنے اور درجہ بدرجہ درست کرنے کی علمی و عملی سعی و کوشش کرنا، بالفاظ دیگر مطلب یہ کہ تصادم و ٹکراؤ سے بچتے ہوئے تدریجاً ایسی تبدیلیاں عمل میں لانا جن سے فاسد نظام کا فساد دور ہو کر مطلوبہ صلاح وجود میں آئے۔ تدریجی اصلاح کے اس طریقہ میں ضروری ہوتا ہے کہ کوئی تبدیلی عمل میں لانے سے پہلے اس کے لیے موافق اور سازگار ذہنی اور خارجی ماحول تیار کیا جائے، موافق اور سازگار ذہنی ماحول تیار کرنے کا مطلب یہ کہ کوئی تبدیلی عمل میں لانے سے پہلے واضح دلائل کے ساتھ یہ بتلایا اور سمجھایا جائے کہ یہ تبدیلی کیوں ضروری ہے اور اس کے کیا فوائد و ثمرات ہوں گے بالفاظ دیگر ذرائع نشر و اشاعت سے دلائل کے ساتھ یہ بتلایا اور واضح کیا جائے کہ جس چیز کو بدلنا مقصود ہے اُس میں کیا برائیاں اور خرابیاں ہیں اور اس کی جگہ جس متبادل چیز کو لایا جا رہا ہے اس میں کیا اچھائیاں اور خوبیاں ہیں اور یہ کہ اس سے کیا فائدے حاصل ہوں گے دینی و روحانی لحاظ سے اور دنیوی اور مادی لحاظ سے، تاکہ خاص طور پر اُن لوگوں کے ذہن اس تبدیلی کو قبول کرنے کے لیے تیار اور ہموار ہو جائیں جن کو اس تبدیلی سے فوری طور

پر نقصان پہنچتا ہو اور اُن کی طرف سے مخالف ردعمل کا اندیشہ نہ رہے ، اور ساز گار خارجی ماحول تیار کرنے کا مطلب یہ کہ اس تبدیلی کی راہ میں رکاوٹ بننے والے مادی موانع کو دور کرنا ، اور چونکہ ذہنی اور خارجی ماحول کو ہونے والی تبدیلی کے موافق و سازگار بنانے کا کام طویل وقت کے ساتھ خاصی دماغی جسمانی محنت بھی چاہتا ہے لہٰذا تدریجی اصلاح کے طریقہ میں کافی دیر لگتی اور خاصی محنت کرنی پڑتی ہے ، بہر حال اس طریقہ سے جو اصلاح وجود میں آتی ہے وہ مستقل اور پائیدار ہوتی نیز یہ طریقہ تصادم اور خون خرابے سے محفوظ ہوتا ہے ۔

اور فوری انقلاب کے طریقہ سے مراد ہے طاقت وقوت کے ذریعے تشدد و سختی کے ساتھ ، رائج نظام کے ظاہری ڈھانچے کو الٹ پلٹ اور تہہ بالا کر دینا اور اُس کی جگہ اپنی مرضی کا نظام و ڈھانچہ بزور نافذ کر دینا ، فوری انقلاب کے اس طریقہ میں اگرچہ وقت کم لگتا اور جلد مقصد حاصل ہو جاتا ہے لیکن اس میں تصادم اور خون خرابہ ضرور ہوتا اور کافی جانی و مالی نقصان بھی ضرور اٹھانا پڑتا ہے ۔ نیز اس طریقہ سے جو تبدیلی اور اصلاح وجود میں آتی ہے عموماً عارضی و ناپائیدار ہوتی ہے ، جب تک اُس کی پشت پر طاقت وقوت رہتی وہ قائم رہتی ہے اور جب وہ ڈھیلی اور کمزور پڑتی ہے تو شدید ردعمل ظاہر ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں سارے کئے کرائے پر پانی پھر جاتا اور ناکامی و مایوسی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے مطلب یہ کہ حاصل شدہ کامیابی ، ناکامی سے بدل جاتی ہے ، اسی طرح اس طریقہ میں بعض دفعہ یہ بھی ہوتا ہے کہ جب انقلابی جماعت ضروری طاقت حاصل کرنے سے پہلے میدان میں کود پڑتی ہے تو مقابلہ میں شکست کھاتی اور ذلیل و خوار ہو کر ختم ہو جاتی ہے اور حصول مقصد کی منزل تک پہنچ ہی نہیں پاتی ، تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں ۔

اس ضمن میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ اسلام چونکہ امن و سلامتی کا دین ہے اور پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے لیے سراپا رحمت ہیں لہٰذا اس کے نزدیک معاشرہ انسانی سے ظلم و فساد کو دور کر کے اس کی جگہ عدل و قسط کو قائم کرنے کا صحیح طریقہ" تدریجی اصلاح کا طریقہ ہے جو اپنے مزاج کے لحاظ سے امن و سلامتی کا طریقہ ہے اور جس کے ذریعے حاصل شدہ صلاح و درستی ، مستقل و پائیدار ہوا کرتی ہے ۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے مطالعے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے انتہائی بگڑے ہوئے عرب معاشرہ کی جس طریقہ سے اصلاح فرمائی وہ یہی تدریجی اصلاح کا طریقہ تھا ، حدیث اور سیرت کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اصلاحی اقدام سے پہلے اُس کے لیے سازگار ذہنی و خارجی فضا تیار فرمائی اور اصلاح کا یہ عظیم کام بتدریج تقریباً تیئیس سال کے طویل عرصہ میں مکمل ہوا ۔ گویا آپ نے اس مقدس کام میں ہمیشہ اس چیز کو ملحوظ و مدنظر رکھا کہ وقت زیادہ لگتا ہے تو لگے ، رفتار دھیمی و سست رہتی ہے تو رہے لیکن جو اصلاح عمل میں آئے پائیداری کے ساتھ قائم رہے اور جو قدم آگے

بڑھا ہے کسی طرح پیچھے نہ ہٹے، نیز اس میں اپنی طرف سے ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ کسی سے تصادم اور جنگ کی نوبت نہ آئے جو تبدیلی بھی ہو پرامن طور پر ہو، واضح رہے کہ بعض مواقع پر کفار ومشرکین سے جو تصادم ہوا اور قتال کی نوبت آئی وہ دفاعی اور جوابی کارروائی کے طور پر تھا اور جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کی راہ میں رکاوٹ بننے والوں کو راہ سے ہٹانا اور جنگ وقتال کی روش سے ان کو باز رکھا جائے چنانچہ جو لوگ ہتھیار ڈال کر شکست تسلیم کر لیتے اور مزاحمت ختم کر دیتے اُن کو چھوڑ دیا جاتا پھر اگر ذمیوں کی حیثیت سے مسلمانوں کے اندر رہتے تو ان کی جان ومال اور آبرو کا تحفظ کیا جاتا ہے جبر واکراہ کے ذریعے اُن کو زبردستی مسلمان نہیں بنایا جاتا، یہ ضمنی بات قدرے طویل ہوگئی، اصل بات یہ عرض کر رہا تھا کہ اسلام کے نزدیک اصلاح معاشرہ کا صحیح طریقہ تدریجی اصلاح کا طریقہ ہے فوری اور خونی انقلاب کا طریقہ نہیں، بہرکیف اِس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ پاکستان جیسے ملک ومعاشرے میں معاشی نظام کو بدلنے کا مسئلہ بے حد مشکل مسئلہ ہے۔

مسئلہ مذکور کے مشکل ہونے کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اسلام کے معاشی نظام کے نافذ ہونے اور عمل میں آنے کے لیے جس طرح کا ذہنی اور خارجی ماحول موجود ہونا ضروری اور شرطِ مقدم ہے بدقسمتی سے موجودہ نام نہاد مسلم معاشروں میں موجود نہیں پاکستان میں تو بالیقین موجود نہیں، اِس اجمال کی کچھ تفصیل یہ کہ اسلام کے جو معاشی اصول و احکامات ہیں ان کا اسلام کے ایمانی عقائد اور عبادات سے نہایت گہرا تعلق ہے وہ اس طرح کہ اُن اصول و احکامات پر عمل کرنے کے لیے افرادِ معاشرہ کے ذہنوں میں عدل واحسان کے جن وسیع وہمہ گیر اخلاقی احساسات کا موجود ہونا ضروری ہے وہ ایمانی عقائد کے ذریعے وجود میں آتے اور اسلامی عبادات کے ذریعے زندہ و بیدار رہتے ہیں، یہاں یہ واضح رہے کہ یوں تو ہر انسان کے اندر پیدائشی طور پر عدل واحسان کا جذبہ واحساس موجود ہوتا ہے لیکن یہ مطلق اور مجرد ہوتا ہے بعد میں اُس کے دائرہ کے اندر جو تنگی وکشادگی ہوتی ہے وہ اُس شعور کے مطابق ہوتی ہے جو تعلیم وتربیت وغیرہ سے انسانی ذہن میں اُبھرتا ہے شعور پست و محدود ہوتا ہے تو جذبۂ عدل واحسان بھی پست ومحدود ہوتا اور شعور بلند اور وسیع ہوتا تو جذبۂ عدل واحسان بھی بلند اور وسیع ہوتا ہے چنانچہ بعض افراد کا جذبہ عدل واحسان صرف اپنے خاندان وکنبے کے افراد کی حد تک محدود ہوتا ہے لہٰذا اُن کے ساتھ تو اس کا برتاؤ عدل و احسان کا ہوتا ہے لیکن ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے ساتھ اُس کا سلوک عدل واحسان کا نہیں ہوتا، اسی طرح بعض افراد کے شعور اور جذبۂ عدل واحسان کا دائرہ اپنے قبیلے اور اپنی قوم وملت کے افراد تک وسیع ہوتا لہٰذا وہ عملی طور پر اُن لوگوں سے تو عدل واحسان کا برتاؤ کرتا ہے جو اس کے قبیلے اور اس کی قوم وملت سے تعلق رکھتے ہوتے ہیں لیکن اُن کے سوا باقی لوگوں سے اُس کا برتاؤ عدل واحسان کے مطابق نہیں ہوتا بلکہ بعض دفعہ اس کے خلاف ہوتا ہے، بہرحال یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے جس کا ہم ہر سطح پر برابر مشاہدہ کرتے

اور اُس کے اُن نتائج و عواقب کو بھی دیکھتے اور جانتے ہیں جو عدل و احسان کے محدود جذبے اور برتاؤ کی وجہ سے انسانوں کے مابین باہمی عداوت و نفرت اور نزاع و تصادم کی شکل میں سامنے آتے ہیں۔

اسلام چونکہ پوری انسانیت کا دین ہے وہ ایک ایسے عالمگیر انسانی معاشرے کا قیام چاہتا ہے جو عدل و قسط پر قائم ہو اور جس کا ہر فرد بلا کسی تخصیص و امتیاز دوسرے ہر فرد کے ساتھ عدل و قسط کا برتاؤ کرتا یعنی جس میں ہر انسان بلا تخصیص رنگ و نسل، بلا امتیاز قوم و وطن، بلا تفریق قبیلہ و خاندان اور بلا استثناء دین و مذہب ہر دوسرے انسان کا ہر حق ٹھیک ٹھیک اور پورا پورا ادا کرتا ہو بلکہ بعض حالات میں اپنے حق کا دوسروں کے لیے ایثار بھی کرتا ہو لہذا ضروری تھا کہ ایسے معاشرے کے افراد کے اندر عدل و احسان کا جو اخلاقی جذبہ ہو اس کا دائرہ پوری انسانیت تک وسیع اور عالمگیر ہو۔ اور پھر چونکہ عدل و احسان کا ایسا وسیع اور ہمہ گیر جذبہ صرف اُس ایک اللہ تعالیٰ کے اعتقاد و یقین اور اُس پر ایمان سے ہی انسان کے اندر پیدا ہو سکتا تھا جس کے صفات میں سے ایک صفت ربّ العالمین ربّ الناس ہے یعنی اقوام عالم اور تمام انسانوں کو پالنے پوسنے، نشوونما دینے اور درجہ کمال تک پہنچانے والا سب کی پرورش اور دیکھ بھال کرنے والا، اور دوسری صفت رحمان و رحیم ہے جس کا مطلب ہے عالمگیر اور دائمی رحمت والا اور جس کی رحمت و مہربانی ہر شے پر چھائی ہوئی ہے اور کوئی چیز اس سے محروم نہیں، یعنی اپنی رحمت سے سب کو نوازنے والا، لہذا اسلام نے انسان کو سب سے پہلے جو تعلیم دی وہ اللہ ربّ العلمین، رحمان و رحیم اور مالک یوم الدین پر ایمان لانے اور اعتقاد و یقین رکھنے کی تعلیم ہے قرآن مجید کی پہلی سورت جس کا نام سورۃ الفاتحہ ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے مذکورہ صفات کا ذکر ہے اور پھر سورۃ الفاتحہ کے پڑھنے کو نماز کی ہر رکعت میں لازم و واجب قرار دے کر اس کا اہتمام کیا گیا ہے کہ بندہ مومن کے ذہن اور دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ کے مذکورہ صفات کی یاد ہمیشہ زندہ و بیدار رہے کیونکہ اللہ کی ان صفات کا اعتقاد و شعور بندۂ مومن کے جذبۂ عدل و احسان کو عالمگیر وسعت دیتا اور اس کو اس پر امادہ کرتا ہے کہ تمام خلق خدا کے ساتھ حسنِ سلوک کرے اور سب انسانوں کے ساتھ عدل و احسان سے پیش آئے، اور پھر چونکہ اللہ کی عبادت ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس سے بندہ مومن کے دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ کے صفات اور ان صفات سے حاصل شدہ اخلاقی احساسات و جذبات زندہ، بیدار اور تازہ رہتے ہیں لہذا اسلام قبول کرنے والوں کو ایمانی عقائد کے بعد جو دوسری تعلیم دی گئی وہ صلوۃ و زکوۃ کی عبادت کی تعلیم تھی بعد میں صوم اور حج وغیرہ کی بھی تعلیم دی گئی، اس کے بعد تدریج کے ساتھ زندگی کے مختلف شعبوں یعنی معاشرتی، معاشی اور سیاسی پہلوؤں سے متعلق ایجابی و امتناعی احکام اور امر و نواہی کی شکل میں دیئے گئے اور جن قرآنی آیات میں دیئے گئے ان کے شروع میں یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ سے خطاب کیا گیا، جس کا مطلب یہ کہ یہ عملی احکام ان لوگوں سے متعلق ہیں جو مشرف بہ ایمان ہو چکے ہیں ان سے متعلق نہیں

ان کے دل نور ایمان سے خالی اور محروم ہیں کیونکہ ایسے لوگ اسلام کے عملی احکامات پر دلجمی کے ساتھ عمل کر ہی نہیں سکتے اور اگر کریں تو اُن پر وہ اثرات وفوائد مرتب نہیں ہوتے جو ایک بندہ مومن کے عمل پر مرتب ہوتے ہیں جو خالصتہً اللہ کی رضا کی خاطر اور اس کی اطاعت کے جذبہ سے کرتا ہے

غرضیکہ عدل واحسان پر مبنی اسلام کی جو معاشی تعلیمات ہیں وہ صرف ایک ایسے معاشرے میں صحیح طور پر بروئے کار آ سکتی اور پائیداری کے ساتھ قائم رہ سکتی ہیں جس کی بڑی اکثریت کے ذہن میں ایمانی عقائد یعنی اللہ کی ذات وصفات کا عقیدہ ، آخرت کی زندگی اور جزاء وسزا کا عقیدہ ، اللہ کے فرشتوں ، کتابوں اور رسولوں کا عقیدہ یعنی وحی ورسالت کا عقیدہ بالخصوص قرآن مجید کے کتاب اللہ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول اللہ ہونے کا عقیدہ موجود اور راسخ ہو لفظی طور پر نہیں بلکہ معنوی اور حقیقی طور پر موجود ہو اور عملی زندگی سے اس کی شہادت فراہم ہوتی ہو نیز اس معاشرے کی عظیم اکثریت فرض عبادات کی پابند وخوگر ہو کیونکہ دراصل ایسے ہی لوگوں کے اندر عدل واحسان کے وہ وسیع اور ہمہ گیر جذبات واحساسات ہو سکتے ہیں جن کی تحریک سے انسان عدل واحسان والی اسلامی معاشی تعلیمات پر بلاکسی تخصیص وامتیاز عمل کر سکتا ہے ۔

اس پہلو سے جب ہم حقیقت پسندی کے ساتھ اپنے موجودہ نام نہاد اسلامی معاشروں وملکوں کا بے لاگ جائزہ لیتے ہیں بشمول پاکستان کے تو بے حد مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے زبانی اور لفظی طور پر تو ایمان ہمارے ہاں بہت زیادہ موجود ہے لیکن قلبی ، حقیقی اور معنوی طور پر ایمان آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ، چنانچہ اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ اسلام کا پرچار کرنے اور اس کے نفاذ کا مطالبہ کرنے والے عملی طور پر تضاد کا شکار ہیں دوسروں کا تو ذکر ہی کیا وہ تو ٹھہرے ہی اسلام اور قرآن وحدیث سے جاہل اور دنیا دار ۔

اسلامی معاشی نظام کے صحیح اور کامل طور پر عمل میں آنے کے لیے مذکورہ ذہنی ماحول کے ساتھ جس خارجی ماحول کا معاشرے میں موجود ہونا ضروری ہے اس میں اہم اور بنیادی چیز معاشرے کا بنیادی معاشی ضروریات کے لحاظ سے خود کفیل ہونا ہے کیونکہ جو معاشرہ بنیادی ضروریات کے لحاظ سے خود کفیل اور اپنے قدموں پر کھڑا نہ ہو وہ مجبور ہوتا ہے کہ بنیادی معاشی ضروریات مثلاً غلہ کپڑا وغیرہ دوسروں سے اُن کی مرضی اور اُن کے معاشی اصولوں کے مطابق حاصل کرے اور زندگی گذارے ، جہاں تک آسائشات اور تعیشات کی چیزوں کا تعلق ہے اُن میں خود کفیل ہونا ضروری نہیں کیونکہ زندگی اُن کے بغیر بھی گزر سکتی ہے ۔ بہرکیف ایک مسلم معاشرے کے لیے یہ لازمی وضروری ہے کہ وہ بنیادی معاشی ضروریات سے تعلق رکھنے والی چیزوں کی پیداوار اس حد تک بڑھائے کہ وہ اُس کی ضرورت کے لیے کافی ہوں اور اس کے لیے دوسری قوموں کے تجربات اور نئے سے نئے ذرائع پیداوار سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اسلام اس پر کوئی پابندی نہیں لگاتا بلکہ اس کی ترغیب دیتا ہے ۔

اُوپر دوسری شکل کے متعلق جو عرض کیا گیا اُس سے بجا طور پر یہ مطلب نکلتا ہے کہ جس نام نہاد اسلامی معاشرے میں مذکورہ ذہنی اور خارجی ماحول اور فضا موجود نہ ہو ایسے معاشرے میں اسلامی معاشی نظام کے فوری نفاذ کی کوششیں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتیں نہ کوئی حکومت اس کے فوری نفاذ میں کامیاب ہو سکتی ہے اور نہ کوئی اسلامی سیاسی جماعت، جو بھی اس قسم کی بات کرتا ہے اُس کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ بے سوچے سمجھے یا دوسروں کو دھوکا دینے کے لیے اور اپنا اُلّو سیدھا کرنے کی خاطر ایسی بات کرتا ہے۔

یہاں ایک یہ بات عرض کر دینا بہت ضروری سمجھتا ہوں کہ جو لوگ یہ سمجھتے اور کہتے ہیں کہ پاکستان میں فی الوقت جو سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ معاشی نظام موجود ہے اگر اس میں ایک چیز کی کمی کر دی اور دوسری چیز کا اضافہ کر دیا جائے تو پھر یہی نظام اسلامی نظام بن جائے گا، ایک چیز کی کمی سے اُن کی مراد بینکوں کا سود، اور دوسری چیز کے اضافہ سے اُن کی مراد زکوٰۃ وعشر کا اضافہ ہے گویا موجودہ نظام میں بینکوں کا سود ختم ہو جائے اور لوگ خود سے یا حکومت کے توسط سے زکوٰۃ وعشر ادا کرنے لگیں تو موجودہ معاشی نظام، اسلامی معاشی نظام بن گیا اب مزید کچھ کرنے کی ضرورت نہیں، گویا اِن حضرات کے نزدیک مزارعت ریٹائی پر مبنی موجودہ زمینداری زرعی نظام بھی عین اسلامی ہے، سرپلس ڈیلیو اور قدرِ زائد کے وجود پر مبنی موجودہ کارخانہ داری صنعتی نظام بھی قطعاً اسلامی ہے، مکانات وغیرہ کی کرایہ داری کا کاروبار بھی بغیر کسی تنقید و تنقیص کے اسلام کے مطابق اور عین اسلامی ہے، درآمدی برآمدی تجارت کا رائج نظام بھی جس میں غیر حاضر اور غیر موجود اشیاء کی خرید و فروخت ہوتی اور بینکوں اور انشورنس کمپنیوں کے توسط سے چلتا ہے بالکل اسلامی ہے، اسٹاک ایکسچینج میں کمپنیوں کے کاغذی شیئرز و حصص کی جو خرید و فروخت ہوتی اور سٹہ بازی کے ذریعے قیمتوں کو جو بڑھایا گھٹایا جاتا ہے ان حضرات کے نزدیک یہ بھی صحیح اسلامی ہے۔ جوائنٹ اسٹاک کمپنیوں کا مروجہ کاروبار بھی بالکل اسلامی ہے، حکومت کی طرف سے جاری کردہ مختلف سرٹیفکیٹ اور بانڈز جن میں ادا کی گئی رقم پر مدت کے لحاظ سے متعین اضافہ مقرر ہوتا ہے کا لینا دینا بھی اسلام کے عین مطابق ہے وغیرہ وغیرہ۔

اسلام کے معاشی نظام کے متعلق جن اہلِ علم حضرات کا مذکورہ خیال ہے اُن کے بارے میں بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان کو اسلام کے دوسرے پہلوؤں سے متعلق یقیناً بہت کچھ پڑھنے اور سوچنے سمجھنے کا موقع ملا ہوگا لیکن معاشی پہلو سے متعلق قرآن وحدیث کی روشنی میں اُن کو بہت ہی کم کچھ پڑھنے اور سوچنے سمجھنے کا موقع ملا ہے ورنہ وہ کبھی اسلام کے معاشی نظام کے متعلق ایسی بات نہ کہتے جو اُوپر نقل کی گئی، ان حضرات نے قرآن وحدیث میں یہ تو ضرور پڑھا کہ ربٰو النسیئہ یعنی قرضوں والا سود جس کا موجودہ بینکوں میں لین دین ہوتا ہے قطعاً حرام وممنوع ہے لیکن اس پر غور نہیں فرمایا کہ اس کے حرام وممنوع کی اصل اور حقیقی وجہ کیا ہے اس میں وہ کونسی برائی ہے

Safety MILK
THE MILK THAT
ADDS TASTE TO
WHATEVER
WHEREVER
WHENEVER
YOU TAKE
YOUR SAFETY
IS OUR Safety MILK
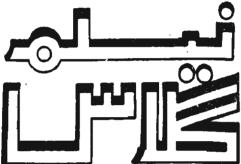
صومالیہ کی بگڑتی صورتِ حال

نو آبادیاتی نظام کی دین !

عادل صدیقی

صومالیہ کی حالیہ تباہی وبربادی کے خوفناک مناظر بیان سے باہر ہیں، صرف گذشتہ ایک سال میں جنگ اور بھوک سے ساڑھے تین لاکھ بے گناہ انسان جاں بحق ہو چکے ہیں، یہ ملک قحط سالی کا شکار ہے، اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ کے مطابق دو ہزار افراد جن میں زیادہ تر خواتین اور بچے شامل ہیں، روزانہ بھوک سے مر رہے ہیں۔ بین الاقوامی برادری کے لیے یہ ایک زبردست چیلنج ہے، صومالیہ کے عوام نے " آپریشن ریسٹور ہوپ " کے نام سے اس امریکی اسکیم کا خیر مقدم کیا ہے جو اس نے وہاں کے لوگوں کی امداد کے لیے شروع کی ہے۔

صومالیہ کی تازہ ترین صورت حال سے یہ پتہ چلتا ہے کہ شاید حالات میں بہتری آئے اب لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا سلسلہ کچھ کم ہے، امریکی فوجوں کی واپسی کا عمل شروع ہو چکا ہے اور اقوام متحدہ کی افواج کی موجودگی کے لیے راستہ ہموار ہوا ہے، صومالیہ میں جنگ بندی پر رضامندی ہو گئی ہے۔ مارچ ۱۹۹۳ء میں عدیس آبابا میں اقوام متحدہ کے زیر نگرانی مصالحتی کانفرنس کا انعقاد عمل میں آئے گا، لیکن صومالیہ کا بحران ابھی حل نہیں ہو پایا ہے۔

پس منظر : صومالیہ کا جائے وقوع ایسا ہے کہ یہاں سے عرب ممالک کی طرف جایا جا سکتا ہے، بحر قلزم میں آنے کے لیے بھی اس سے راستہ مل جاتا ہے۔ عرب ممالک جو اپنی تیل کی پیداوار کے لیے مشہور ہیں اور خلیجی ممالک جو تیل اور قدرتی وسائل کی یافت کا ذریعہ ہیں، ان سے صومالیہ کا قریبی تعلق ہے، ۱۸۶۹ء میں نہر سویز کے کھل جانے کے بعد صومالیہ یورپی طاقتوں کے لیے بے حد اہمیت اختیار کر گیا، ۱۸۸۵ء اور ۱۹۰۸ء کے درمیانی عرصے میں برطانیہ، فرانس اور اٹلی نے صومالیہ کے طویل ساحل کو آپس میں بانٹ لیا اور اپنی اپنی نو آبادیاں قائم کر ڈالیں، اس کے ساتھ ہی ایتھوپیا (حبش) کا شہنشاہ اپنی سرحدوں کی توسیع کا خواہشمند تھا، ان حالات میں ان یورپی مملکتوں کی سرحدیں آپس میں وجہ نزاع بن گئیں اور ان کی وجہ سے آپس میں رنجش پیدا ہو گیا، چنانچہ ۱۹۳۵ء میں اٹلی نے ایتھوپیا پر حملہ کر دیا، ۱۹۳۶ء میں دوسری

جنگ عظیم کے بعد برطانیہ نے ایک تجویز رکھی کہ صومالیہ کا تمام تر رقبہ اقوام متحدہ کی ٹرسٹی شپ میں لے آیا جائے لیکن روس اور امریکہ نے اس تجویز کو مسترد کر دیا، صرف اٹلی کے زیر نگیں صومالی رقبہ اقوام متحدہ کی ٹرسٹی شپ میں رہا۔ یکم جولائی ۱۹۶۰ء کو ری پبلک آف صومالیہ آزاد ہوئی مگر اس میں صومالیہ کے پانچ حصوں میں سے صرف دو حصے شامل رہے، ان دو کے نام ہیں برطانیہ کے زیر نگیں صومالیہ اور اطالوی ٹرسٹ کے ماتحت صومالیہ کا علاقہ باقی تین حصے یہ ہیں۔ فرانس کے زیر نگین صومالی رقبہ (ڈجی بوٹی) ایتھوپیا کا اوگادن خطہ اور کینیا میں شمالی سرحدی ضلع (این ایف ڈی) یہ تینوں غیر ملکی نگرانی میں رہے، صومالی باشندوں کا کہنا ہے کہ صومالی قوم نو آبادیاتی نظام سے بھی پہلے کی ہے۔ یہ سچ بھی ہے۔ صومالی قوم ایک سے طرز کے عوام پر مشتمل ہے یہ سب کے سب کھیتی باڑی کرتے ہیں، مویشی چراتے ہیں ایک ہی زبان بولتے ہیں اور سب کے سب مسلمان ہیں، ان کے رسم ورواج اور ثقافتی انداز ایک ہی سے ہیں، ۱۹۸۱ء میں ایک انٹرویو دیتے ہوئے ایک اہم سیاسی شخصیت سید باری نے بجا طور پر کہا تھا کہ صومالیہ کی تباہی کی تمامتر ذمہ داری نو آبادیاتی نظام پر ہے کیونکہ اس کی وجہ سے ملک پانچ حصوں میں تقسیم ہوا، دو حصے برطانیہ کے پاس ہیں ایک حصہ اٹلی کے پاس، ایک فرانس کے پاس اور ایک ایتھوپیا کے پاس ہے، صومالیہ کے نقطہ نظر سے نئی جمہوریہ نے آزادی ضرور حاصل کر لی مگر یہ آزادی کی نصف لڑائی تھی جس پر فتح حاصل کر لی گئی ہے۔ اس لیے قدرتی طور پر آزاد صومالیہ کی خارجہ پالیسی نے ملحقہ خطوں کو آزاد کرانے پر زور دیا ہے یہ سب مل کر متحدہ ریاست بنانے کی کوشش کر رہے ہیں، صومالیہ کے جھنڈے پر پانچ کونے والا ستارہ اس ملک کے پانچ حصوں کی نشاندہی کرتا ہے، اور اس بات کی علامت ہے کہ یہ سب متحد ہونا چاہتے ہیں۔

تباہی کا پس منظر: آزادی کے بعد صومالیہ میں ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۹ء تک جمہوری نظام رہا اور ۱۹۶۹ء سے ۱۹۹۱ء تک مطلق العنانہ نظام تھا، ان دونوں نظاموں کے تحت ایتھوپیا کے اوگادن اور کینیا کے شمالی سرحدی ضلع میں چل رہی علیحدگی پسندانہ تحریکوں کی حمایت کی جاتی رہی، صومالیہ کو ایک بنا دینے کی تحریک نے جنگ جویانہ صورت اختیار کر لی، صومالیہ کو ایتھوپیا کے ساتھ ۱۹۶۱ء ۱۹۶۴ء اور ۱۹۷۷ء میں جنگ کرنی پڑی، ۱۹۸۰ء کے بعد تقریباً دس سال تک بھی ان دونوں ملکوں کے درمیان جنگ کی سی صورت حال چلتی رہی، ۱۹۶۳ء اور ۱۹۶۷ء کے درمیان صومالیہ کو کینیا سے بھی جنگ کرنی پڑی، اس کے بعد دونوں میں عارضی طور پر صلح ہو گئی، صومالیہ کو سب سے زیادہ نقصان اوگادن کی جنگ سے پہونچا، اوگادن سے تقریباً دس لاکھ پناہ گزین ۱۹۸۱ء تک صومالیہ میں داخل ہو گئے، اس سے صومالیہ کی شکست خوردہ معیشت پر اور اقتصادی بوجھ پڑ گیا، ۱۹۸۱ء صومالی قومی تحریک (ایس این ایم) نامی ایک تنظیم قائم ہوئی اس نے ۱۹۸۲ء کے بعد فوجی کارروائیاں تیز کر دیں، ان فوجی کارروائیوں کی وجہ سے ہزار ہا شہری مارے گئے۔

گاؤں جل کر راکھ ہوگئے، مویشی ہلاک ہوگئے اور پینے کے پانی کے ذخیروں میں زہر کا اثر آگیا ۸۹-۱۹۸۸ء میں شدید خانہ جنگی شروع ہوئی اس سے ہرگیشیا نامی شہر تباہ ہوگیا۔

مابعد سرد جنگ: صومالیہ کا جائے وقوع ایسا ہے کہ اس پر بڑی طاقتوں کی ہمیشہ سے نظر رہی ہے، صومالیہ کا ملحقہ خطوں سے جھگڑا بڑی طاقتوں کی ریشہ دوانیوں کا سبب بنا، ہر خطہ ان کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتا رہا، صومالیہ کو دونوں بڑی طاقتیں بڑے پیمانے پر اسلحہ فراہم کرتی رہیں ۱۹۶۰ء سے ۱۹۷۵ء تک گویا کہ آزادی ملنے کے پہلے پندرہ برسوں میں روس سے ہتھیار آئے، ۱۹۶۹ء میں سید باری نے صومالیہ کو سوشلسٹ ملک بنا دیا، لیکن ۱۹۷۴ء میں ایتھوپیا کے انقلاب نے صورت حال بدل دی، امریکہ نے ایتھوپیا کو چھوڑ دیا اور صومالیہ کی سرپرستی شروع کر دی، اس طرح یہ ملک اسلحہ کی ذخیرہ گاہ بن گیا، صومالیہ سرکار نے بڑے پیمانے پر یہ اسلحہ تقسیم کیا اس طرح سے وہ پڑوسی خطوں سے برسر پیکار ہونے کی صلاحیت پیدا کرنا چاہتا تھا، سب سے پہلے وہ ایتھوپیا سے لڑنا چاہتا تھا چنانچہ جنوری ۱۹۹۱ء میں صومالیہ کی راجدھانی موگادیشو میں لڑائی زور پکڑ گئی اور صورت حال حکومت کے قابو سے باہر ہوگئی، ایک ماہ کی لڑائی کے بعد سید باری کو دست بردار ہونا پڑا، اس وقت ملک افراتفری کا شکار رہا، ۱۲ رجنوری ۱۹۹۱ء کے بعد جب کہ صدر مملکت سید باری حکومت کی ذمہ داریوں سے الگ کر دیئے گئے صومالیہ میں خانہ جنگی کی کیفیت ہے، ۲۹ رجنوری ۱۹۹۱ء کو ایک باغی لیڈر علی مہدی نے اقتدار سنبھالا مگر دیگر باقی رہنماؤں نے ان کی مخالفت کی، ان کے سب سے زیادہ مخالف محمد فرح ادید ہے حالانکہ ان دونوں کا تعلق ایک ہی قبیلے سے ہے لیکن نومبر ۱۹۹۱ء میں دونوں کے درمیان مکمل جنگ کا آغاز ہوا اس جنگ کے پہلے چھ ماہ موگادیشو میں ۱۴ ہزار افراد مارے گئے اور ۲۷ ہزار زخمی ہوئے، سید باری کے الگ ہوجانے کے بعد اس خانہ جنگی نے وہاں کے لوگوں کو بے حد مایوس کر دیا، صومالی قومی تحریک کی حمایت خاص طور پر اسحٰق نامی قبیلے نے کی تھی اور سید باری کو الگ کرایا تھا، مگر بعد کے حالات سے اس نے مرکزی سرکار سے علیحدہ ہونے کی آواز اٹھائی، اس نے شمالی صومالیہ میں الگ سے جمہوریہ صومالی لینڈ کے قیام کا مطالبہ کیا، چنانچہ ۱۸ رمئی ۱۹۹۱ء کو یہ جمہوریہ قائم ہوگئی اگرچہ اسے نہ تو کسی ملک نے اور نہ ہی کسی بین الاقوامی تنظیم نے تسلیم کیا مگر اس سے صومالیہ کا بحران اور گہرا ہوگیا۔

امن کا راستہ کیا ہو؟: اس بحران کا حل آسان نہیں ہے، البتہ خوش آئند بات یہ ہے کہ متحارب گروپ بین الاقوامی دباؤ سے مارچ ۱۹۹۳ء میں عدیس ابابا میں ہونے والی امن کانفرنس میں شرکت کے لیے تیار ہیں، لیکن محض جنگ سے باز رہنا ہی تو امن کی ضمانت نہیں بن سکتا، ملک میں خوش حالی کے پروگرام شروع کیے بغیر اس بھیانک صورت حال سے باہر نکلنا دشوار ہے۔

ایگل
ایک عالمگیر
قلم
EAGLE
خوشنما
رواں اور
دیرپا
اسٹیل
کے
سفید
اریڈیم ٹپڈ
نب کے
ساتھ
ہر
جگہ
دستیاب
EAGLE IRIDIUM
آزاد فرینڈز
اینڈ کمپنی لمیٹڈ

کہکشاں پرنٹس
سنگم بوسکی
مینار پاپلین
کمانڈر پاپلین
بریذیڈنٹ لان
دلکش
دلنشیں
دلفریب
حسین
کے
پارچہ جات
مرد و زن دونوں کے ملبوسات کیلئے
موزوں۔ حسین کے پارچہ جات،
شہر کی ہر بڑی دکان پر،
دستیاب ہیں۔
حسین کے خوبصورت پارچہ جات
نہ صرف آنکھوں کو بھلے لگتے ہیں
بلکہ آپ کی شخصیت کو بھی،
نکھارتے ہیں۔ خواتین ہوں یا
FABRICS
خوش پوشی کے پیش رو
حسین ٹیکسٹائل ملز
حسین انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی
کا ایک ڈویژن

قومی خدمت ایک عبادت ہے
اور
سروس انڈسٹریز اپنی صنعتی پیداوار کے ذریعے
سال ہا سال سے اس خدمت میں مصروف ہے
Servis
قدم قدم حسین قدم قدم آباد

تحریر: ڈاکٹر محمود الحسن عارف

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ

بحیثیت شاگرد امام العصر شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

حضرت قاضی صاحب کو قدرت نے بہت سی سعادتوں سے بہرہ اندوز کیا تھا: وہ اپنے جدی سلسلے سے بتیس واسطوں کے ساتھ حضرت عثمان ذی النورین کی اور ننھیالی جانب سے چالیس پشتوں کے ذریعے حضرت ابو ایوب انصاری میزبان نبوی کی اولاد ہیں۔ ان کی ددھیال چشتیہ سلسلے کے قطب الاقطاب حضرت مخدوم جلال الدین عثمانی پانی پتی (م ۷۶۵ ھ / ۱۳۶۳ ء) سے اور ننھیالی خاندان شیخ الاسلام عبداللہ انصاری المعروف بہ پیر ہرات (م ۴۸۱ ھ / ۱۰۸۸ ء) کے ذکر سے معطر و مزین ہے۔ قاضی صاحب کے خاندان میں تقریباً بارہ پشتوں سے "علم دین" کا سلسلہ متوارث ہوتا ہوا ان کی ذات تک پہنچا اور ان کی اولاد بھی کئی نسلوں تک علم دین کی وارث و حامل رہی۔ قاضی صاحب کے دادا قاضی ہدایت اللہ عہد مغلیہ میں پانی پت کے قاضی اور ایک نامور عالم دین تھے۔ شیخ محمد عابد سنامی (م ۱۱۶۰ ھ / ۱۷۴۷ ء) سا مرشد کامل ان کے زیر درس رہ چکا تھا اور قاضی صاحب کے والد قاضی محمد حبیب اللہ کے علم و فضل کا یہ حال تھا کہ ان کے مرشد کامل نے خرقہ خلافت دینے کے بعد ان کی تربیت کا آغاز کیا تھا۔ دوسری طرف ان کے نانا نواب لطف اللہ خان شمس الدولہ بہادر تہور جنگ دربار مغلیہ کے چھ ہزاری منصب دار تھے۔ اسطرح قاضی صاحب کی ذات دین و دنیا کا ایک حسین امتزاج تھی۔

قاضی صاحب مشہور مردم خیز قصبے "پانی پت" میں تخمیناً ۱۱۴۰ ھ / ۱۷۲۷ ء اور ۱۱۴۳ ھ / ۱۷۳۰ ء کے مابین پیدا ہوئے۔ یہیں انھوں نے شہر کے علماء و فضلاء سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ ان کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ انھوں نے محض سات برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا اور سولہ سترہ سال کی عمر میں کتب درسیہ سے فراغت حاصل کرلی تھی۔ مزید لطف کی بات یہ ہے کہ انھوں نے اس سولہ سترہ برس کی عمر میں اپنی پہلی کتاب "احقاق حق" تصنیف فرمائی۔ جو حضرت مجدد الف ثانی پر شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے اعتراضات کے مدلل جوابات پر مشتمل ہے۔

تحصیل علم میں بھی قدرت نے انھیں بہت سی سعادتوں سے بہرہ ور کیا تھا: انھوں نے بیک وقت ہندوستان کے تین نامور محدثین سے حدیث کا علم حاصل کیا، جن میں امام العصر شاہ ولی اللہ محدث

دہلوی (م ۱۱۷۴ ھ ر ۱۷۶۲ ء) شاہ فخر الدین الہ آبادی محدث (م ۱۱۶۴ ھ ر ۱۷۵۰ ء) اور مرزا مظہر جانجاناں دہلوی (م ۱۱۹۵ ھ ر ۱۷۸۰ ء) جیسے اکابر حضرات شامل ہیں ' مرزا مظہر جانجاناں جو قاضی صاحب کے خصوصی مربی و سرپرست بھی تھے ۔ بہت بڑے صوفی کامل ہونے کے ساتھ اونچے درجے کے محدث بھی تھے ۔ اور اپنی خانقاہ میں باقاعدہ درس حدیث دیا کرتے تھے ۔ اور جو شیخ محمد افضل سیالکوٹی (م ۱۱۴۶ ھ ر ۱۷۳۳ ء) تلمیذ شیخ عبداللہ سالم مکی کے شاگرد اور امام العصر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ہم سبق تھے ۔

امام العصر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور مرزا مظہر جانجاناں شہید کے مابین نہایت خوشگوار مراسم قائم تھے ۔ بعض مآخذ سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں کے درمیان شاگردوں اور مستفیدین کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا ۔ حضرت شاہ صاحب اپنے خطوط میں مرزا صاحب کو بجا طور پر " قیم طریقہ احمدیہ " اور " راعی سنت نبویہ " لکھتے تھے اور حضرت مرزا صاحب بھی حضرت شاہ صاحب کا غایت درجہ ادب و احترام ملحوظ رکھتے تھے ' قاضی صاحب کا تعلق ابتداء حضرت مظہر سے ہی قائم ہوا تھا ' اس لئے یہ قیاس ہوتا ہے کہ غالباً انہوں نے ہی قاضی صاحب کو حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں بغرض استفادہ علم حدیث ارسال کیا تھا : بہر یہ قاضی صاحب کی بھی انتہائی خوش نصیبی تھی کہ انہیں شیخ ملا تو حضرت مظہر جانجاناں شہید سا اور استاد حدیث ملا تو امام العصر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جیسا ۔

امام العصر شاہ ولی اللہ کی زندگی کا یہ وہ دور تھا کہ جب ان کی حجاز مقدس سے واپسی ہوچکی تھیں (۱۱۴۵ ھ) اور وہ اس وقت اپنے علم و فکر کی اس انتہا کو پہنچ چکے تھے جو ان کی عظیم الشان کتب حجۃ اللہ البالغہ اور تفہیمات الٰہیہ وغیرہ میں نظر آتی ہے ۔ اس وقت " اکہرے دالان ' تین دروالی صندوق نما لداو والی مسجد اور ایک کٹہرے " پر مشتمل " مدرسہ رحیمیہ " کی شہرت کا آفتاب عالمتاب عین نصف النہار پر تھا ۔ اس دور میں تاریخ اسلام کا یہ نامور معمار قوم نونہالان وطن میں مستقبل کے ایسے گوہر نادار تلاش کرنے اور انہیں تراش خراش کو عظیم مقاصد کے لئے تیار کرنے میں مصروف تھا ' جو اس کے مشن اور پروگرام کو اقصائے عالم تک پہنچا سکیں اور یہ اس درسگاہ کی بھی خوش بختی تھی کہ انہیں ایسے جواہرات تلاش کرنے میں مایوسی نہیں ہوئی ۔ خود قاضی صاحب بھی ایسے ہی بیش قیمت جواہرات میں شامل تھے ۔

حضرت قاضی صاحب جن ایام میں امام العصر شاہ ولی اللہ کے ہاں زیر تعلیم تھے (اندازاً ۱۱۶۰ ھ ر ۱۷۴۶ ء) ان دنوں میں مرزا صاحب کے ہاں بھی کئی کئی روز تک حاضر نہ ہوسکتے تھے ۔ مرزا مظہر جانجاناں شہید کو قاضی صاحب سے غایت درجہ محبت تھی جس میں عقیدت کا رنگ بھی جھلکتا تھا اس لئے انہیں قاضی صاحب کی غیر حاضری نہایت شاق گزرتی تھی ۔ چنانچہ مرزا صاحب نے امام العصر

کو ایک مکتوب میں لکھا ' جس میں ان سے چند مسائل بھی پوچھے اور قاضی صاحب کے بارے میں استفسار کیا کہ وہ کب تک امام العصر کے ہاں زیر تعلیم رہیں گے ۔ اس کے جواب میں شاہ صاحب نے رقم فرمایا :

" مولوی ثناء اللہ مصابیح و صحیحین اسماع نمودند مستعد کتب ستہ بلکہ عشرہ متداولہ اند ۔

بہمیں توجہ ہمت سامی توقع است کہ آئندہ بظہور رسد و بعد ازاں احرام صحبت شریف بندند "

مولوی ثناء اللہ مصابیح اور صحیحین (صحیح بخاری مسلم) پڑھ چکے ہیں اور اب صحاح ستہ بلکہ عشرہ متداولہ پڑھنے کا ارادہ رکھتے ہیں ۔ آپ کی مبارک توجہ کے باعث امید ہے کہ ان کا مقصد پورا ہوگا ۔ پھر وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا احرام باندھیں گے ۔

امام العصر شاہ ولی اللہ کے خط سے ان دونوں اکابرین امت کے ہاں قاضی صاحب کے مقام و مرتبے کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے ' علاوہ ازیں اس سے قاضی صاحب کی تحصیل علم کے لئے مستعدی اور اس میں گہرے انہماک کا تاثر بھی ملتا ہے ۔

تحصیل علم حدیث سے فراغت ہو جانے کے بعد بھی قاضی صاحب ' امام العصر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ہاں آتے جاتے رہتے اور ان سے استفادہ علمی کرتے رہتے تھے ۔ چنانچہ امام العصر کے وصال سے چند سال پیشتر کے ایک خط میں بھی قاضی صاحب کا ذکر ملتا ہے ' امام العصر تحریر فرماتے ہیں :

بعد سلام واضح بادکہ مولوی ثناء اللہ بار قیہ کریمہ رسیدند موجب مسرت گردید...... توقع آنست کہ در اوقات موجودہ دعاے سلامت از آفات ظاہرہ و باطنہ در حق بندہ ضعیف و فرزندان ومتعلقان بوجود می آمدہ باشد ' والسلام ۔

سلام کے بعد واضح ہو کہ مولوی ثناء اللہ مکتوب گرامی کے ساتھ پہنچے (اس یاد آوری) پر بے حد خوشی ہوئی .... امید ہے کہ خصوصی اوقات میں میرے لئے ' اور میرے فرزندان اور متعلقین کے لیے ظاہری و باطنی آفتوں سے سلامتی کی دعا کا سلسلہ جاری رکھیں گے ' والسلام ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فراغت کے بعد بھی قاضی صاحب نے امام العصر کے ہاں آمد و رفت کا باقاعدہ سلسلہ جاری رکھا ۔

۲ ۔ عملی زندگی ۔

یہاں تک تو قاضی صاحب کے امام العصر سے استفادہ علمی کا ذکر تھا ۔ اب قاضی صاحب کی عملی زندگی میں ولی اللہی اثرات پر بھی چند اشارات پیش کیے جاتے ہیں ۔

امام العصر جب ۱۱۴۵ھ / ۱۷۳۳ء میں حجاز اقدس کے سفر سے واپس تشریف لائے تو ان کے

سامنے "امت" کی اصلاح کا ایک واضح نصب العین تھا ۔ چنانچہ انہوں نے ہندوستان واپسی کے ساتھ ہی اپنے اس پروگرام پر عمل درآمد شروع کردیا ۔ امام العصر شاہ ولی اللہ کا نصب العین زندگی کے محض ایک دو پہلوؤں کی اصلاح نہ تھا بلکہ ان کا نصب العین یہ تھا کہ مسلمانوں کی زندگی کا ہر گوشہ اپنی اصلی آب و تاب کے ساتھ نمایاں ہو کر سامنے آ جائے ۔

قدرت نے امام العصر کو ایک ایسے زمانے میں بھیجا تھا جب فی الواقع امت کو ان جیسے رہنما کی اشد ضرورت تھی ۔ دنیائے اسلام اس وقت اختلاف و انتشار کے آخری نقطے کو پہنچ رہی تھی ہندوستان میں مسلمانوں کی صدیوں کی حکومت کا سایہ اب برائے نام باقی تھا ۔ ہندوستان کے طول و عرض میں غیر مسلم طاقتیں ہندو جاٹوں ' مرہٹوں اور سکھوں کی صورت میں منظم ہو رہی تھیں ۔ یورپین طاقتوں نے بھی ہندوستان کے ساحل پر مکر و فریب اور سازشوں کے ذریعے اپنی اپنی طاقتوں کا مظاہرہ شروع کر دیا تھا ۔ عالمی سطح پر بھی مسلمان زوال و انتشار کا شکار تھے ۔ سلطنت عثمانیہ اندرونی خلفشار میں مبتلا تھی اوریورپین ممالک سے اس کی پسپائی کا عمل اس صدی سے شروع ہوچکا تھا ۔ الغرض دنیائے اسلام کو اس وقت فی الواقع ایک ایسے امام و قائد کی ضرورت تھی جو زندگی کے ہر پہلو میں وقت کے تقاضوں کے مطابق ان کی رہنمائی کرسکے ۔

اس پس منظر میں امام العصر نے اپنے تجدیدی کام کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا (۱) ان کے تجدیدی کام کا مرحلہ اول یہ تھا کہ امت کی فکری و علمی رہنمائی کی جائے ' اس دور کا مسلمان طرح طرح کے رسم و رواج میں مبتلا ہو کر اپنا دین و مذہب گم کر بیٹھا تھا ۔ اور رسوم و رواج ہی کو دین و شریعت کا مقام دیا جا رہا تھا ادھر دینی درسگاہوں میں منطق و فلسفہ نے حدیث و تفسیر کی جگہ حاصل کرلی تھی اور علماء و فضلا زندگیوں کا بیشتر حصہ انہی علم کی تحصیل و تعلیم میں صرف کر دیا کرتے تھے ۔ امام العصر نے حدیث اور تفسیر کو ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ دنیا بھر میں اپنا مقام دلایا ۔ آج دنیا بھر میں حدیث پڑھنے پڑھانے کے لئے ان سے عملی ۔ ان سے بہتر اور ان سے کثیرالاشاعت اور کوئی سند ہے ہی نہیں ۔

حدیث کی طرح امت قرآن سے بھی واجبی سا تعلق قائم رکھے ہوئے تھی ' امام العصر نے اس تعلق کو بھی از سر نو مستحکم کیا اور ترجمہ فارسی ترجمہ و تفسیر فتح الرحمان لکھ کر اسلام کی نشاہ ثانیہ کے لئے ایک بہت بڑی تحریک کا آغاز کیا ۔

فقہ کی دنیا میں امام العصر نے گرانقدر خدمات انجام دیں ۔ مسالک کے مابین فقہی اختلافات کو کم کیا ۔ دور جدید کے تقاضوں کے مطابق آٹھ شرائط پر پورا اترنے والے فقہا کو اجتہاد کرنے کی ترغیب دی اور اجتہاد کو ہر دور کے لئے فرض کفایہ قرار دیا ۔ الغرض فکری و علمی دنیا میں ان کے بے شمار

کارہائے نمایاں ہیں ۔ جن کا ذکر موجب طوالت ہوگا ۔

(۲) جبکہ اس کا دوسرا مرحلہ اسلام کے غلبے کے لئے سیاسی کوششوں کا آغاز ہے ۔ وہ ہندوستان کی تاریخ کے پہلے شخص تھے ، جنہوں نے " درویش " ہوتے ہوئے بھی بادشاہوں جیسا کردار ادا فرمایا اور ایک ایسی عظیم سیاسی و مذہبی تحریک کی بنیاد رکھی جس کے اثرات علماء دیوبند کی جدوجہد کی صورت میں اس وقت بھی باقی ہیں اور شاید قیامت تک باقی رہیں گے ۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی بھی اپنے بلند مرتبہ استاد سے بہت زیادہ متاثر تھے ، اس لئے اگر یہ کہا جائے تو بجا ہوگا کہ انھوں نے بھی اپنی پوری زندگی اپنے عظیم المرتبت استاد کے نصب العین کی تعمیل و تکمیل میں صرف کر دی ۔

قاضی صاحب نے امام العصر سے " عشرہ متداولہ " (حدیث کی دس بڑی کتابیں) کیا پڑھی تھیں کہ اس سے ان کی زندگی کا نقشہ ہی بدل گیا ۔ قاضی صاحب نے مختلف علوم وفنون پر کم و بیش ۳۶ کتابیں تصنیف فرمائی ہیں ۔ ان میں سے آپ کوئی کتاب اٹھا کر دیکھ لیں اس میں آپ کو حدیث کا رنگ غالب نظر آئے گا ۔ ایک چھوٹی سی مثال پیش کرنا مناسب ہوگا ۔

قاضی صاحب نے علم ضرورت کے مسائل پر ایک چھوٹی سی فارسی کتاب " مالا بدمنہ " (جس کے بغیر چارہ نہ ہو) لکھی ہے بظاہر تو یہ ایک عام سی کتاب ہے اور مبتدی طلباء کے لئے لکھی گئی ہے ۔ مگر اس میں بھی حیرت انگیز طور پر حدیث اور مسالک اربعہ کے جمع و تطبیق کا رنگ غالب ہے ، مثلاً ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں :

" در فجر قراء ت طویل خواند ۔۔ ابوبکر صدیق

۔۔۔۔ در نماز فجر دریک رکعت ۔ سورہ بقرہ خواندہ و پیغمبر در دو رکعت مغرب سورہ اعراف خواند و عثمان در نماز فجر اکثر سورہ یوسف میخواند لیکن رعایت حال مقتدیان ضرور است

حضرت ابوبکر صدیقؓ نماز فجر کی ایک رکعت میں سورہ بقرہ پڑھتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز میں سورہ اعراف پڑھتے تھے ۔ حضرت عثمانؓ فجر میں اکثر سورہ یوسف تلاوت فرماتے تھے ۔ لیکن مقتدیوں کے حال کی رعایت رکھنا ضروری ہے ۔

اس طرح دیہات میں نماز جمعہ کے بارے میں فرماتے ہیں :

" پس نزد امام اعظم در دیہات جمعہ جائز نیست و نزد شافعی و اکثر ائمہ جمعہ جائز است

امام اعظم کے نزدیک دیہات میں جمعہ جائز نہیں ۔ مگر امام شافعی اور اکثر ائمہ کے نزدیک جائز ہے ۔

اسی طرح انھوں نے قرآنی علوم کے عام کرنے کے لئے عربی زبان میں " تفسیر مظہری " تصنیف فرمائی ۔ راقم الحروف نے اپنے تحقیقی مقالے میں یہ ثابت کیا ہے کہ " تفسیر مظہری " عربی زبان میں :

ہندوستان بھر میں پہلی باقاعدہ مکمل تفسیر ہے ۔ اس سے پہلے جو تفاسیر لکھی گئی ہیں انہیں مکمل تفاسیر ہرگز نہیں قرار دیا جاسکتا ۔ اور یہ تفسیر امام العصر شاہ ولی اللہ کے معارف قرآنیہ کو عام کرنے کے مشن کا ہی حصہ ہے ۔

قاضی صاحب نے اپنے بلند پایہ استاد کے تصور فقہ و اجتہاد کو مکمل طور پر اختیار کیا ۔ انہوں نے اپنی تفسیر میں اور بعض دیگر کتابوں میں اس موضوع پر اتنا مفصل اور جامع کام کیا ہے کہ ہندوستان بھر کی مسلم تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی ۔ وہ اپنے استاد و مربی امام العصر شاہ ولی اللہ سے اس بارے میں پوری طرح ہم آہنگ ہیں ' کہ حدیث پر کسی کے قول و قیاس کو ترجیح نہیں دی جاسکتی ۔ اپنے اس اصول کے تحت انہوں نے کس جگہ شوافع اور دوسرے اہل مسالک کی خبر لی ہے ۔ تو خود احناف کو بھی معاف نہیں کیا ۔ وہ خود ایک مقام پر امام ابو حنیفہ کا یہ قول نقل فرماتے ہیں :

عن عبداللّٰہ بن المبارک قال سمعت ابا حنیفہ یقول اذا جاء عن النبی صلی اللّٰہ علیہ والہ وسلم فعلی الراس و العین .... و نقل انہ قال اذا اصح الحدیث فھو مذہبی (۱۳) .....

عبداللہ بن مبارک بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے امام ابو حنیفہ کو کہتے ہوئے سنا کہ جب کوئی آنحضرت صلی اللہ علی وآلہ وسلم کی حدیث ملے تو وہ ہمارے سر آنکھوں پر ۔ اور اس طرح ان سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ جب کوئی صحیح حدیث مل جائے تو وہی میرا مسلک ہے ۔

علاوہ ازیں ' تصوف کے میدان میں بھی انہوں نے بہت کچھ لکھا اور تصنیف کیا اور اپنے استاد محترم کی تعلیمات کے مطابق وہ تصوف کو احسان قرار دیتے ہیں ' انہوں نے " احسان " کے باب کو اپنی فقہ کی کتاب " مالا بدمنہ " میں بھی شامل کیا ہے ' حالانکہ فقہاء اپنی کتابوں میں تصوف کو قریب بھی نہیں پھٹکنے دیتے ' مزید برآں انہوں نے تفسیر مظہری میں صوفیانہ معارف و نکات کو ہر جگہ نمایاں طور پر پیش کیا ہے ۔ تاکہ ظاہر کے ساتھ ساتھ باطن کی بھی اصلاح ہوسکے ' وہ اپنی تفسیر میں اصلاح کے نقطہ نظر سے ہی فقرا کے دامن سے وابستہ ہونے کو فرض و واجب قرار دیتے ہیں ۔

عملی زندگی میں " روزگار " کے طور پر انہوں نے منصب قضا کو اختیار فرمایا ۔ حالانکہ بظاہر دنیوی کاموں اور سرکاری مناصب میں انہماک و صوفیاء کے منصب کے خلاف ہے ۔ لیکن جیسا کہ راقم الحروف نے اپنے تحقیقی مطالعے میں ثابت کیا ہے کہ قاضی صاحب کا عہدہ قضا کو قبول کرنا اور کم و بیش نصف صدی تک اس کے ذریعے اہل علاقہ کی خدمت کرنا اپنے استاد و مربی کے مشورہ کے عین مطابق تھا ۔ اور قاضی صاحب کا یہ اقدام امام العصر کی سیاسی پالیسی کا ہی حصہ ہے ۔ کیوں کہ وہ دور سخت افراتفری اور انتشار کا دور تھا ۔ غیر مسلم طاقتیں اپنی اپنی جگہ منظم ہو رہی تھیں ۔ ان حالات میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور مرزا مظہر جانجاناں شہید نے ایک واضح پروگرام کے تحت اپنے اپنے

شاگردوں اور فیض یافتگان کو مختلف علاقوں ، مختلف لشکروں اور مختلف دفاتر میں مامور فرمایا ۔ ان کے ان شاگردوں کے ذریعے ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ لوگوں کو صالح قیادت میسر آئی اور دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ ان افراد کے ذریعے مختلف عمال اور گورنروں کے ساتھ قریبی رابطہ اور تعلق پیدا ہوا ۔ ان دونوں بزرگوں نے اس تعلق کو مسلمانوں کی تنظیم اور وحدت پیدا کرنے کے لئے بھرپور طریقے سے استعمال کیا ۔ چنانچہ بطور قاضی ، قاضی صاحب کو ، دہلی ، پانی پت اور بعض دیگر نواحی علاقوں میں کام کرنے کا موقعہ ملا ۔ اور وہ غازی الدین عماد الملک (موجود ۱۷۵۹ ء) ، نواب نجیب الدولہ (م ۱۱۸۴ ھ ر ۱۷۷۰ ء) ، نواب افضل الدولہ (برادر نواب نجیب الدولہ) نواب ضابطہ خان (م ۱۱۹۹ ھ ر ۱۷۸۴ ء) ، نواب ابوالقاسم (م ۱۷۷۶ ء) ملا رحیم دار روہیلہ اور نواب مجدالدولہ کے ساتھ منسلک رہ کر کام کرتے رہے ۔ یہ تمام لوگ وہ ہیں جو اس زمانے کی مسلم سیاست کے اہم ستون تھے ۔ اور جیسا کہ تاریخی شہادت سے ثابت ہے کہ ان میں سے چند ایک ایسے ہیں جن سے امام العصر شاہ ولی اللہ نے بھی ہندوستان کی مسلم دنیا کو بچانے کا کام لیا ۔

جب امام العصر کے ایما پر ابدالی نے پانی پت کے میدان میں مرہٹہ طاقت کو ہمیشہ کے لئے کچلا اور بلامبالغہ اس میدان میں لاکھوں مرہٹے کام آئے ، اس وقت بھی قاضی صاحب پانی پت میں موجود تھے اور علاقے کے حاکم تھے ۔ قاضی صاحب کی انہی خدمات کے پیش نظر ان کو پانی پت کا قلعہ دار بنانے کی بھی تجویز ہوئی ۔ حضرت مظہر جانجاناں چاہتے تھے کہ قاضی صاحب یہ عہدہ قبول کرلیں ۔ لیکن قاضی صاحب نے اس کو اپنی ذات کے لئے پسند نہ فرمایا ۔ الغرض قاضی صاحب کا یہ عہدہ بھی ان بزرگوں کی منشا کے عین مطابق تھا اور ان کی وجہ سے علاقے میں ایسا امن و امان دیکھنے میں آیا جو اس دور میں کسی جگہ دیکھنے میں نہ آیا ۔ مولوی نعیم اللہ بڑائچی لکھتے ہیں :

فقیر کاتب گوید کہ ایں چنیں اجرای و نفاذ احکام شریعت از برکت وجود شریف ایشاں کہ در قصبہ پانی پت بود باوجود غلبہ کفار مرہٹہ موجود است در ممالک دیگر اسلام بالفعل یافتہ نمیشود ۔

فقیر کاتب یہ کہتا ہے کہ ان کی وجہ سے قبضہ پانی پت میں احکام شریعت کا نفاذ باوجود کفار مرہٹہ کے سیاسی فیصلہ کے ہوتے ہوئے ایسا دیکھنے میں آتا ہے کہ فی الوقت دوسرے کسی اسلامی ملک میں بھی ایسا نفاذ شریعت موجود نہیں ہے ۔

پی۔ این۔ ایس۔ سی برِاعظموں کو ملاتی ہے۔ عالمی منڈیوں کو آپ کے قریب لے آتی ہے۔ آپ کے مال کی بروقت، محفوظ اور باکفایت ترسیل برآمد کنندگان اور درآمد کنندگان، دونوں کے لئے نئے مواقع فراہم کرتی ہے۔

پی۔ این۔ ایس۔ سی قومی پرچم بردار۔ پیشہ ورانہ مہارت کا حامل جہاز راں ادارہ، ساتوں سمندروں میں رواں دواں

قومی پرچم بردار جہاز راں ادارے کے ذریعہ مال کی ترسیل کیجئے

قومی پرچم بردار جہاز راں ادارہ

PID - Islamabad

جناب الحاج اقبال احمد خان عمان

عالم اسلام

جرمن میں دس ہزار عورتوں
اور
صومالیہ میں امریکی فوجیوں کی کثیر تعداد مشرف بہ اسلام

یہاں بون یونیورسٹی کے ایک جرمن پروفیسر روڈلف شنجر نے جو آج کل قاہرہ دورہ پر آئے ہوتے ہیں یہ اعتراف کیا ہے کہ گذشتہ دس ماہ کے دوران دس ہزار (۱۰۰۰۰) جرمن عورتوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اور یہ کہ انہوں نے نہ صرف اسلام قبول کیا ہے بلکہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نامی ایک تنظیم کی بنیاد بھی ڈال دی ہے۔ یہ تنظیم جہاں غیر مسلموں میں اسلام کا تعارف کرانے اسلام کو اس کی صحیح شکل میں پیش کرنے، اس پر لگائے گئے اتہامات کا جواب دینے، اور اس کے سلسلہ میں پھیلائی گئی بدگمانیوں کو دور کرنے کا کام انجام دے رہی ہیں وہیں دوسری طرف جرمن نو مسلمات میں اسلام کی جڑوں کو گہرا کرنے۔ عقیدہ توحید کو ان کے دلوں میں پیوست کرنے اسلام کی بنیادی تعلیمات سے ان کو واقف کرانے کی ذمہ داری بھی ادا کر رہی ہیں، چنانچہ اس تنظیم کی طرف سے ہفتہ واری اجتماعات کا انعقاد ہوتا ہے ایک ہفتہ واری اخبار نکلتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ درس قرآن اور درس حدیث کا بھی نظم کیا جاتا ہے۔

جرمن سے نکلنے والے ایک کثیر الاشاعت اخبار "دیر شپیگل" نے اپنے تین تازہ شماروں میں تین قسطوں پر مبنی "جرمنی میں اسلام" کے عنوان سے ایک تحقیقی مضمون شائع کیا ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ گذشتہ چند ماہ کے دوران آٹھ ہزار جرمن عورتیں اسلام قبول کر چکی ہیں۔ اتنی مختصر مدت میں اتنی بڑی تعداد کے مشرف بہ اسلام ہونے کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے اس اخبار نے یہ لکھا ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے وہ زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے اور اس میں ہر عمل کے لیے ایک قانون اور ایک نمونہ موجود ہے، اس میں عبادت کا طریقہ بھی بیان کیا گیا ہے لباس کی وضع قطع پر بھی گفتگو کی گئی ہے، آداب معاشرت کی تفصیلات بھی بیان کی گئی ہیں۔ حتیٰ کہ کھانے، پینے، اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے، شادی بیاہ کرنے اور دوسرے تمام بشری تقاضوں کو پورا کرنے کی ہدایات بھی ذکر کی گئی ہیں۔

ایک جرمن اسکالر "زیجلنڈ اموریش" نے جرمن عورتوں کے اسلام قبول کرنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ

اسلام وہ تنہا مذہب ہے جو اخلاقی تعلیمات پر زور دیتا ہے اور جو بحیثیت انسان کے ایک دوسرے پر کچھ حقوق عائد کرتا ہے اور زندگی کے ہر پہلو کے لیے مستحکم ہدایات اور پختہ قوانین رکھتا ہے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جرمن عورت اسلام کو اپنی ضرورت تصور کرتی ہے اس کی تعلیمات کی روشنی میں اپنی مشکلات کا حل تلاش کرتی ہے۔

جرمن سے شائع ہونے والے اسی مشہور اخبار "دیر شپیگل" نے اسلام کے بارے میں مختلف جرمن مسلم عورتوں کے نقطہائے نظر پیش کیے ہیں، وہ لکھتا ہے۔

ایک نومسلمہ کا کہنا ہے کہ انسانی زندگی سے جتنا گہرا ربط اسلام کا ہے کسی اور مذہب کا نہیں ہے اور یہ کہ اسلام قبول کرنے کے بعد پہلی مرتبہ مجھے اپنے انسان ہونے کا احساس ہوا ہے۔

دوسری نومسلمہ نے پرزور الفاظ میں اسلامی تعلیمات پر اپنے عمل پیرا ہونے کا تذکرہ کیا وہ کہتی ہیں، میں فرائض کی پوری پابندی کرتی ہوں، جا نماز اپنے ساتھ آفس میں رکھتی ہوں تاکہ ڈیوٹی کے دوران نماز ادا کرنے میں کوئی دشواری محسوس نہ ہو اور نماز قضا نہ ہو سکے۔

ایک دوسری نومسلمہ نے اپنے اسلام قبول کرنے کی وجہ یہ بیان کی کہ جب ایک مسلمان داعی نے نہایت سادگی اور جذبہ ہمدردی کے ساتھ اسلام کی دعوت میرے سامنے پیش کی تو مجھے ان کی پیشکش کو رد کرنے کی کوئی وجہ نظر نہ آئی اور اسلام سے متعارف ہوتے ہی میں نے کامل صدق دل کے ساتھ اسلام قبول کر لیا۔

جرمن کی مشہور گلوکارہ جو اب مشرف بہ اسلام ہو کر تائب ہو چکی ہے۔ اور اپنے اسلام قبول کرنے کی وجہ ان الفاظ میں بیان کی ہے۔ وہ کہتی ہیں اسلام ہی وہ تنہا مذہب ہے جو عورت کی فطرت سے واقف، اس کے حقوق کا محافظ اور اس کے احترام کا ضامن ہے، اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے عورت کی راحت کی خاطر قوانین وضع کیے اور اس کو بربادی سے بچانے کے لیے ضابطے مقرر کیے۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ جرمن میں مسلمانوں کی آبادی ۲۰ لاکھ افراد پر مشتمل ہے اور اس طرح یہ یورپ میں دوسری مسلم اقلیت تصور کی جاتی ہے۔

موگادیشو، ۲۳ رمئی صومالیہ میں تعینات امریکی فوجیوں کی نامعلوم تعداد نے مذہب اسلام اختیار کر لیا ہے صبح کی اذان ہوئی اور آس پاس کے لوگوں نے اپنے جوتے اتار کر وضو کرنا شروع کر دیا اور پھر چھوٹی سی مسجد کی طرف روانہ ہو گئے یہ نظارہ وہاں تعینات امریکی فوجیوں کے لیے بہت عجیب و غریب ہے۔

حالانکہ دسمبر سے بین الاقوامی ریلیف پروگرام کے تحت امریکی فوجی مسلم صومالیہ میں کام کر رہے ہیں مگر ان میں سے اکثر و بیشتر کے لیے اسلامی تعلیمات اور عبادت کے طریقے ابھی بھی پراسرار بنے ہوئے ہیں

تاہم ان فوجیوں کی نامعلوم تعداد مشرف بہ اسلام ہوگئی ہے ۔

وزارت دفاع کا کہنا ہے کہ وہ مذہبی تبدیلی کے واقعات پر زیادہ دھیان نہیں دیتی ۔

آیوری اسمتھ ہر صبح ایک کمرے کی مسجد سے اذان دے کر مسلمانوں کو نماز کے لیے پکارتا ہے ۔

فورٹ اسٹواٹ جارجیا میں قائم ۲۲۶ ویں سپلائی اور سروس کے تقریباً ۱۱ ارکان جنوری میں مسلمان ہو گئے تھے ان میں اسمتھ شامل نہیں ہے جس نے ۱۵ سال پہلے اسلام قبول کیا تھا ۔

کیپٹن پاپ چارلس نے کہا تبدیل مذہب کے ان واقعات سے فوج کے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے ۔

انہوں نے کہا ہمارے لیے ہمارا کام اوّلین اہمیت کا حامل ہے مگر ہم ان کی نمازوں کے وقت کے مطابق کام کرنے لگے ہیں ۔

صبح اور شام کے وقت فوجی پتھر کی عمارت میں جمع ہو جاتے ہیں جس کو انہوں نے اپنے فاضل وقت میں مرمت اور سفیدی کر کے مسجد کی شکل دے دی ہے اور سامنے کی طرف قرآن کی آیت تحریر ہے ۔

وہاں مسجد کی حد بندی کی گئی ہے جہاں وضو کے بغیر داخل نہیں ہو سکتے جب فوجی نماز کے لیے مسجد میں داخل ہوتے ہیں تو اپنی بندوقیں ایک کونے میں کھڑی کر دیتے ہیں ۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ زیادہ تر تجسس کی وجہ سے اسلام کی طرف راغب ہوئے ہیں اور ان کو فاضل وقت میں اسلام کا مطالعہ کرنے کا کافی موقع ملا ہے صومالیہ کے مختلف قبیلوں میں ہمیشہ لڑائیاں رہتی ہیں مگر ویسے ملک میں ایک ہی زبان اور ایک ہی مذہب اسلام رائج ہے ۔

یسموئل نیومین نے کہا کہ میں نے ابھی تک مذہب تبدیل نہیں کیا ہے ۔ انہوں نے کہا کہ مجھے اسلام کا مطالعہ کرنے سے پہلے اپنے مخالف خیالات پر قابو پانا ہوگا ۔

انہوں نے کہا اسلام کے لیے میرے دماغ میں پہلا خیال ایک دہشت گرد گروپ کا تھا میں جانتا تھا کہ یہ ایک مذہب ہے مگر کس طرح کا مذہب ہے یہ نہیں جانتا تھا ۔ مجھے اس کا مطالعہ خود کرنا پڑے گا ۔

نیومن نے کہا کہ وہ ایک ایسے مذہب کی تلاش میں ہیں جو ان کے عقائد پر پورا اترتا ہو ۔

انہوں نے کہا کہ میں نے قرآن پاک میں جو کچھ پڑھا ہے وہ مجھے اب تک سب سے زیادہ بہتر محسوس ہوا ہے ۔

ایلن فی والٹ نے کہا کہ میں نے صومالیوں کو سخت مشکلات میں مسکراتے ہوئے دیکھا ہے یہ لوگ نے مطمئن ہیں یہاں کتنی غربت ہے مگر یہ پھر بھی خوش ہیں والٹ نے تین ہفتہ قبل مذہب اسلام قبول کیا ہے اور وہ ایک صومالی لڑکی سے شادی کرنے والے ہیں ۔ بقیہ ص۲۲ پر

محفوظ قابلِ اعتماد مستعد بندرگاہ

بندرگاہ کراچی

جہاز رانوں کی جنت

بندرگاہ کی خدمات کے جدید انداز کے ساتھ
عالمی تجارت کے لئے پُرکشش
پاکستانی معیشت کی تعمیر کے لئے کوشاں

ہماری کامیابیوں کی بنیاد

- انجنیئرنگ میں کمالِ فن
- جدید ٹیکنالوجی
- مستعد خدمات
- باکفایت اخراجات
- مسلسل محنت

۲۱ ویں صدی کی جانب رواں

بمع

جدید مربوط کنٹینر ٹرمینلز
نئے میرین پروڈکٹس ٹرمینل
بندرگاہ کراچی ترقی کی جانب رواں

PC - Islamabad

محترم ابراہیم یوسف باوا رنگونی (برطانیہ)

غیبت اور پیشاب کی وجہ سے عذابِ قبر

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دو قبروں پر گذر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ ان دونوں کو عذابِ قبر ہو رہا ہے ایک کو لوگوں کی غیبت کرنے کی وجہ سے (اور) دوسرے کو پیشاب سے احتیاط نہ کرنے کی وجہ سے۔ (فضائل رمضان المبارک صفحہ ۲۸)

ف:۔ اس حدیث شریف میں دو مذموم چیزوں کا ذکر ہے جن کی وجہ سے انسان عذابِ قبر میں مبتلا ہو جاتا ہے، عذاب قبر کوئی معمولی چیز نہیں کہ انسان اس سے نہ ڈرے اور لاپرواہی کرے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بھی قبر پر کھڑے ہوتے تو زار و قطار روتے تھے حتیٰ کہ داڑھی مبارک بھی تر ہو جاتی تھی۔ اور فرماتے کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے جو یہاں نجات پا گیا (انشاء اللہ تعالیٰ) آئندہ کی منزلوں میں نجات پاتے گا اور (خدانخواستہ) جو یہاں پھنسا وہ آئندہ کی منزلوں میں اور زیادہ پھنسے گا۔ (مفہوم)

غیبت کا معنی و مطلب غیبت کا معنی و مطلب یہ ہے کہ کسی کی برائی اس کی عدم موجودگی (یعنی پیٹھ پیچھے) بیان کرنا۔ دوسرے الفاظ میں معنی یہ ہوگا کہ غیبت کرنے کا اکثر مقصد یہ ہوتا ہے کہ دوسرے کے عیوب کی تشہیر و تفضیح کر کے اس کو رسوا کیا جائے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کا مقام ظاہر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک (ایک) مومن کی آبرو (یعنی عزت) اور جان اور مال سب کعبۃ اللہ شریف سے زیادہ حرمت اور عزت والے ہیں۔" (البلاغ ۲۳ - ۳ - ۶۹)

لوگ ناواقفیت کی بنا پر یا غیبت پر پردہ ڈالنے کی نیت سے کہتے ہیں کہ ہم تو حقیقت کا اظہار کرتے ہیں اس بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ملاحظہ ہو۔

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) سے دریافت

فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ غیبت کیا چیز ہے؟ صحابہ نے لاعلمی کا اظہار فرمایا تو آپ نے فرمایا، اپنے مسلمان بھائی کا اس طرح ذکر کرنا کہ اُسے ناگوار معلوم ہو" صحابہؓ نے عرض کیا کہ اگر وہ برائی اس میں موجود ہو تو؟ آپ نے فرمایا کہ موجود شدہ برائی کو بیان کرنا ہی غیبت ہے اور اگر وہ بُرائی موجود نہیں تو تم اس پر بہتان باندھو گے۔ (مسلم مفہوم از اسلامی تعلیم ص۷۹)

غیبت قرآن مجید کی روشنی میں

اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مجید (سورہ حجرات ۴۹: ۱۱-۱۲) میں تفصیل سے ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"اے ایمان والو! مَرد، مردوں پر نہ ہنسیں، عجب نہیں کہ وہ (جن پر تم ہنستے ہو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک) ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں، عورتوں پر ہنسیں، عجب نہیں کہ وہ ان سے بہتر ہوں ..... آپس میں ایک دوسرے کو طعنے نہ دو اور نہ ایک دوسرے کو بُرے لقب سے پکارو، ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا (ہی) بُرا ہے اور جو (ان حرکتوں سے باز) نہ آویں گے تو وہ ظلم کرنے والے ہیں۔ اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو کیونکہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں اور سراغ مت لگایا کرو، اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس کو تم ناگوار رکھتے ہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔" (مفہوم)

آئیے ان دو آیتوں کے احکام سے کچھ نصیحتیں حاصل کریں:

مسلمان چاہے مَرد ہو چاہے عورت، ایک دوسرے پر نہ ہنسیں یعنی مذاق مسخرہ نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جاننے والے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون بہتر ہے ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زبان سے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چھوٹے قد کے بارے میں ایک کلمہ نکل گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اگر اس بُری بات کو دریا کے پانی میں ملایا جائے تو دریا کے پانی کو متغیر کر دیگا" (ابوداؤد)

یعنی اتنی سی بات بھی کسی مسلمان کے بارے میں کہی گئی کہ یہ کوتاہ اور ناٹے قد کا ہے، اس کی وجہ سے دریا کا شیریں پانی تلخ ہو جاتا ہے اب ہر شخص اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ لے کہ دن رات وہ مسلمانوں کے بارے میں کیا کیا کہتے پھرتے ہیں یہ بھی ذہن نشین رہے کہ زبان، حرکتوں، آنکھ کے اشاروں وغیرہ سے کسی کے متعلق کچھ کہنا اور بتانا سب غیبت میں داخل ہے جیسے قرآن کریم میں اس طرح کہا گیا ہے:

هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ (سورہ قلم ۶۸: ۱۱) (لوگوں پر) آوازیں لگاتا پھرنا۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ (سورہ حجر ۱۰۴) بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کے لیے جو پس پشت عیب نکالنے والا ہو اور رُو در رُو طعنہ دینے والا ہو۔

معلوم ہوا کہ ایک دوسرے پر ہنسنے والے، طعنہ کسنے والے، بُرے نام ولقب سے بلانے اور پکارنے والے اگر اپنی بری حرکتوں سے باز نہ آئے وہ ظالم کہلوائیں گے اور ظالموں کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"اور عنقریب اُن لوگوں کو معلوم ہو جائے گا جنھوں نے ظلم کر رکھا ہے کہ کیسی جگہ ان کو لوٹ کر جانا ہے۔" (الشعراء ۲۶ : ۲۲۷)

؎ اب تو آرام سے گزرتی ہے عاقبت کی خبر خدا جانے

مسلمانو! ایک دوسرے کی غیبت کرنے سے قطع رحمی ہوتی ہے، آدمی گالی گلوچ پر اور لڑائی جھگڑا پر اُتر آتا ہے کئی بُرائیاں ایک غیبت کی وجہ سے بڑھتی اور پھیلتی ہیں اور ان سب کا عذاب بھی سخت ہوتا ہے قطع رحمی کرنے والے جنت میں تو کیا جائیں گے جنت کی خوشبو بھی سونگھ نہ سکیں گے۔ گالی گلوچ کرنے والے اللہ تعالیٰ کی نظر سے گر جاتے ہیں اور جھگڑا فساد کی وجہ سے شب قدر جیسی نعمتِ عظیم سے محرومی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو غیبت اور بہتان سے حفاظت فرمائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

غیبت کرنا مُردہ بھائی کے گوشت کھانے کے مترادف ہے۔

معراج والی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ ان سے اپنے چہروں کو نوچ رہے تھے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ: یہ وہ لوگ ہیں جو (مردوں) لوگوں کا گوشت کھاتے تھے اور اُن کی عزت و آبرو لیتے تھے۔ (ابوداؤد)

احمدؒ کی روایت میں ہے کہ: یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی غیبت کرکے اُن کا گوشت کھاتے تھے۔

ف، ہماری حالت تو یہ ہے کہ مردہ بھائی کی نعش کو ہم زیادہ دیر رکھنے کے لیے تیار نہیں چہ جائیکہ ہم اس کا گوشت کھائیں۔ لیکن غیبت کرنے والا شریعت کی نظر میں ایسا ہے جیسا مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ افسوس اس میں عوام تو عوام اچھے اچھے لوگ ملوث ہیں۔

غیبت کی وجہ سے بدبو پھیلتی ہے

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ سخت بدبو پھیلی تو آپ نے ہم سے دریافت کیا کہ، تم جانتے ہو کہ یہ کیسی بدبو ہے؟ پھر فرمایا: ان لوگوں کی بدبو ہے جو مسلمانوں کی غیبتیں کرتے ہیں۔ (احمد)

ف :۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بتادیا کہ غیبت کرنے سے سخت بدبو پھیلتی ہے چاہے کسی کو پتہ چلے نہ چلے غیبت کرنا ایسا ہی ہے جیسے سخت بدبو پھیلانا۔

غیبت کرنیوالے کو اللہ تعالیٰ رُسوا فرماتے ہیں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو! جو زبان سے تو ایمان لاتے لیکن تمہارے دلوں کے اندر ایمان جاگزیں نہیں ہوا ہے نہ (تم) مسلمانوں کی غیبت کرو (اور) نہ ان کے عیوب کی تلاش میں رہو کیونکہ جو شخص کسی کے عیوب کی تلاش میں رہے گا، اللہ تعالیٰ بھی اُس کے عیوب کی تلاش میں رہے گا۔ اور اللہ تعالیٰ جس کے عیوب کی تلاش کرے گا خود اس کے گھر ہی کے اندر اس کو رسوا کر دے گا۔

ف ، مطلب یہ ہے کہ کسی مسلمان کو ذلیل و رسوا کرنے کی نیت سے اور اس کے عیوب کی تشہیر و تفضیح کی غرض سے غیبت کرنیوالے کو اللہ تعالیٰ ضرور رُسوا کر کے رہیں گے چاہے وہ اپنے گھر کے اندر ہی کیوں نہ رہتا ہو۔

البتہ کسی شخص سے دوسرے مسلمان کو دنیاوی یا دینی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اس کے عیب کو اس غرض سے ظاہر کر دینا تاکہ مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ شخص غیر اعتبار ہے یہ ذلت اور رسوائی میں شمار نہ ہوگا بلکہ اس طرح کرنے سے اجر کا مستحق ہوگا کہ کسی مسلمان کو اس کے نقصانات سے بچا لیا جائے۔

حضرت مولانا محمد ازہر صاحب مدظلہ نے لکھا ہے کہ شخصیات پر نقد و جرح کسی مسلمان کا موضوع نہیں ہونا چاہیے لیکن دین اور اہل دین کے متعلق اتہامات کی تردید اور احقاق حق ہمارا دین کا فریضہ ہونا چاہیے۔ اس میں شخصیات کا ذکر ناپسندیدہ ہونے کے باوجود ناگزیر ہوتا ہے۔ ۱۲۰

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ،

"اللہ تعالیٰ کسی کی برائی کو پسند نہیں کرتا مگر مظلوم ظالم کی برائی بیان کر سکتا ہے۔" (النساء)

خلاصہ یہ ہوا کہ کسی کی دھوکہ بازی، دروغ گوئی وغیرہ سے بچانے کی نیت سے اس کے عیب کو ظاہر کیا جا سکتا ہے لیکن اس میں بھی اپنے دل کو اچھی طرح ٹٹولے اور دس بار ٹٹولے۔ یاد رہے کہ مسلمان کی غیبت اور آبرو ریزی کرنا حرام ہے۔

دیکھئے! اگر مسلمان کی ذلت و رسوائی اور غیبت مطلقاً ناجائز ہوتی تو وہ اسلامی قوانین و احکام نازل نہیں ہوتے جن میں شراب پینے والے کو ۸۰ کوڑے، غیر شادی شدہ کو زنا کی سزائیں ۱۰۰ کوڑے، شادی شدہ کے زنا میں مبتلا ہونے کی بنا پر سنگسار اور چور کے ہاتھ کاٹے جانے کی سزائیں دی جاتی ہیں کیونکہ ان میں مسلمانوں کی ذلت و رسوائی کا اظہار ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو نافذ کرنا بعثت انبیاء کے مقاصد میں سے ہیں۔ اور

(بقیہ ص ۶۳ پر)

حافظ محمد عمار خان ناصر

بائبل کا الہام
خدائی یا انسانی

کلام الٰہی قرآن شریف میں فرمان خداوندی ہے۔

" اتاری تجھ پر کتاب حق کے ساتھ۔ تصدیق کرنے والی ہے اس چیز کی جو اس سے قبل کی ہے۔ اور نازل کیا تورات اور انجیل کو۔ (آل عمران آیت ۳)

آیت مذکورہ میں قرآن کریم، تورات اور انجیل کو منزل من اللہ قرار دیا گیا ہے۔ تورات و انجیل کے لئے انزال اور قرآن کریم کے لئے تنزیل کا لفظ استعمال کیا ہے علم الکلام کی مشہور کتاب "شرح العقائد" کی شرح "نبراس" میں لکھا ہے کہ:۔

ان الانزال دفعی والتنزیل تدریجی یعنی انزال کا معنی یہ ہے کہ یک بارگی اور دفعۃً واحدۃً نزول ہو اور تنزیل کا معنی نجماً نجماً اور تھوڑا تھوڑا کر کے اتارنا ہے۔ یعنی تورات و انجیل دفعۃً واحدۃً نازل ہوئیں جب کہ قرآن کریم تھوڑا تھوڑا کر کے۔ بعض مقامات پر قرآن کریم کے لئے بھی انزال کا لفظ استعمال ہوا ہے (سورہ قدر آیت ۱) لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ لوح محفوظ سے قرآن کریم کو آسمانِ دنیا پر یک بارگی اتارا گیا جہاں سے حضرت جبرائیل امین حسب ارشاد خداوندی آیات لے کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوتے تھے۔ اب ہمیں تورات کے بارے یہودی اور انجیل کے بارے عیسائی نظریہ الہام معلوم کرنا ہے۔

یہودی نظریہ | قدیم یہودیوں میں سے زیادہ تر کا عقیدہ یہ تھا کہ:۔

"تورات تمام مخلوقات سے مقدم ہے اور یہ خلقت عالم موجودات میں آنے سے پیشتر تصورا موجود تھی۔ ہر لفظ اور ہر حرف میں یکساں الہام ہے" (الہام مصنفہ پادری ایچ گیرڈ نر بی اے مطبوعہ ۱۹۵۸ء صفحہ 14/15) یہی عقیدہ ہمارا تورات، انجیل اور قرآن کے بارے میں ہے۔ لیکن جدید تحقیقات کی روشنی میں یہودیوں کو یہ نظریہ چھوڑنا پڑا۔ الہام کے متعلق ان پرانے اصولوں کو ہمیں الہامی ماننا ضروری نہیں اور جہاں تک میرا خیال ہے کوئی یہودی یا جو کوئی تورات قبول کرتا ہے ان اصولوں کے ماننے پر مجبور نہیں۔ میں یہ ماننے کو تیار نہیں ہوں کہ پاک صحیفے کا ہر لفظ یکساں طور پر الہامی ہے۔ (ایضاً ص 15) یہ کہنا زیادہ صحیح ہے اور صریح ہے

کہ خدا نے لوگوں کو الہام دیا اور ان لوگوں نے انہیں میں ہو کر نبوت کی باتیں کہیں اور لکھیں لیکن ان کے علم اور قوائے ذہنی و استدلالی اور ان کی اپنی اپنی شخصیت برقرار رہے ۔ پھر ان کے کلام کتابوں کی صورت میں جمع کر لیے گئے ۔ اور یوں خارجی یا ضعیف معنی میں یہ کتابیں الہامی کہلانے لگیں (ایضاً صہ ۱۸/۱۹) [سلہ]

یہودی بائبل کے وجود میں آنے سے متعلق آرچڈیکن برکت اللہ ایم اے لکھتے ہیں :۔

”جب یروشلم ۷۰ء میں برباد ہو گیا اور قوم یہود خستہ حال اور پراگندہ ہو گئی تو یہودی لیڈروں نے اپنی قومی روایات کو برقرار اور قائم رکھنے کے لئے ۱۰۰ء میں ایک مجلس منعقد کی ۔ اس مجلس نے ان تمام کتب کو جو اب عہد عتیق کے مجموعہ میں شامل ہیں ۔ کتب مقدسہ قرار دے دیا اور یوں یہ کتابیں ضائع ہونے سے بچ گئیں ۔ (صحت کتب مقدسہ مطبوعہ ۱۹۵۶ء صہ ۲۶)

دوسری بہت سی کتابیں جو الہامی تھیں اور جن کا ذکر موجودہ کتب مقدسہ میں پایا جاتا ہے یا تو ضائع ہو گئیں یا چھپائی گئیں ۔ (التوراۃ تاریخھا و غایاتھا ترجمہ سہیل میخائیل دیب مطبوعہ بیروت ۱۹۸۲ء صہ ۲۶) غزل الغزلات کی کتاب کا الہامی ہونا یہودیوں میں مختلف فیہ ہے (قاموس الکتاب شائع کردہ مسیحی اشاعت خانہ لاہور مطبوعہ ۱۹۸۷ء صہ ۶۸۲)

حزقی ایل کی کتاب کو پہلی صدی عیسوی میں چھپانے کا رجحان ملتا ہے (ایضاً ۳۲۴) یہودیوں کے ایک فرقہ سامریہ کی الگ تورات ہے جو صرف سات کتابوں پر مشتمل ہے ۔ یہ تورات ۶ ہزار مقامات پر میسوریٹک متن سے مختلف ہے ۔ بعض اختلافات جان بوجھ کر عمل میں لائے گئے ۔ (ہماری کتب مقدسہ مصنفہ پادری ٹی سینلی مترجمہ جے ایس امام الدین بار مسنر کے ایل ناصر مطبوعہ ۱۹۸۷ء صہ ۲۴)

عیسائی نظریہ | پادری گیرڈنر لکھتے ہیں :۔

انجیل میں تورات سے بھی کم خدا کا خطاب پیغمبر یا پیغمبروں سے ہے ۔ یوحنا کے مکاشفہ کے علاوہ ایک بھی کتاب انجیل میں نہیں ہے جس کا یہ دعویٰ ہو کہ اس کے مصنف پر یہ کتاب نازل ہوئی ہے یا اس کے مصنف کو خدا نے لکھنے کے لئے مامور کیا تھا ۔ مقدس پولوس کے خطوط کی مانند چند کتابوں میں مصنف نے بیشک صفائی سے الہٰی ہدایت کے زیر اثر ہو کر لکھنے کا دعویٰ کیا ہے لیکن دیگر کتابوں میں جن میں چند نہایت ضروری کتابیں شامل ہیں ۔ مصنف نے کہیں ایسا دعویٰ نہیں کیا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مصنفوں نے یونہی یا اپنی مرضی سے حسب موقع ان کو تحریر کیا ہے ۔“ (الہام صہ ۵۸)

عیسائی انجیل کے نزول کے قائل نہیں بلکہ انہی ”یونہی اپنی مرضی سے حسب موقع“ تحریر کردہ کتب کو

سلہ کتاب مقدس کے مصنفین حقیقی طور پر مصنف تھے نہ کہ فقط املا نویس ۔ بعض باتیں انہوں نے ماخذ و منابع کا ذکر بھی کیا ہے مصنفین اپنا تجربہ بھی بیان کرتے ہیں (مسیحی علم الہٰی کی تعلیم مصنفہ پادری لوئیس برکھاف مطبوعہ ۱۹۸۰ء صہ ۶۴)

"انجیل" کا نام دیتے ہیں۔ یا للعجب!

اس کے باوجود ہمیں مسیح کے کلام میں "انجیل" کا لفظ ملتا ہے دیکھئے مرقس ۸: ۳۵، ۱۰: ۲۹، ۱۳: ۱۰ وغیرہ ان تینوں مقامات پر نیوانگلش بائبل میں انجیل (GOSPEL) کا لفظ معرفہ (PROPER NOUN) لایا گیا ہے یعنی انجیل کا ایک خاص معین وجود ہے۔ اور اسی کے لیے حضرت مسیح تبلیغ کر رہے تھے۔ ابتدائی دور میں مسیحیت ایک غیر معروف سا مذہب تھا۔ اناجیل کے اصل زبانوں کے نسخے اور دوسری تحریرات اسی زمانہ کی نذر ہو گئیں۔ علاوہ ازیں پولوس یہودی نے یونانیت کو مسیحیت کے نام پر رائج کیا۔ تو معدودے اصل مسیحی اس کی سازشوں کا شکار ہو گئے۔ اغلباً اصل انجیل کے پس منظر میں چلے جانے کا دور یہی ہے۔

اب ذرا خاص مسیحی کتب مقدسہ (عہد جدید) کے الہامی ہونے کا ایک جائزہ لے لیا جائے یہ بات سب مسیحی علماء کو مسلم ہے کہ اناجیل کے مصنفین نے انسانی تحریرات سے استفادہ کرکے مسیح کی سوانح عمری لکھی۔ بلکہ لوقا کی انجیل کے دیباچہ میں انجیل نویس واضح طور پر اس کا اعتراف کر رہا ہے۔ اناجیل اربعہ کے علاوہ اور بھی لاتعداد انجیلیں تھیں جن کو "اسفار محرفہ" کہا جاتا ہے۔ عہد جدید کی تشکیل یوں ہوئی ہے کہ:۔

"پورا نیا عہد نامہ جیسے کہ ہم اسے جانتے ہیں۔ اتھناسیس نے ۳۶۷ء میں قبول کیا۔ اور مغربی کلیسا نے "عام خطوط" اور "مکاشفہ" قبول کرنے میں زیادہ دیر کی" (رسولوں کے نقش قدم پر مصنفہ بشپ ولیم جی ینگ مطبوعہ ۱۹۸۸ء صفحہ ۲۰) اتھناسیس کے فیصلہ کو کلیساؤں نے فوری طور پر قبول نہ کیا تھا (ایضاً صفحہ ۲۰۴)

پادری جی ٹی مینلی لکھتے ہیں:۔

"ٹرٹولین پہلا شخص تھا جس نے مسیحی نوشتوں کا عہد جدید کا نام دیا اور یوں انہیں عہد عتیق کی کتابوں کے الہام کی سطح پر رکھا" (ہماری کتب مقدسہ صفحہ ۶۵)

۳۹۷ء میں کارتھیج کی کونسل نے اگرچہ عہد جدید کو مکمل کر دیا "لیکن ہر زمانہ میں علماء ہماری طرح یہ سوال کرتے رہے کہ وہ کیوں ایک متفق فیصلہ پر پہنچے؟" (ہماری کتب مقدسہ صفحہ ۶۷) معلوم ہوا کہ مسیحی کونسلز نے بے جواز طور پر عہد جدید کو الہامی قرار دیا۔

مندرجہ بالا بحث سے ثابت ہے کہ بائبل کا الہام محض یہودی و مسیحی علماء کی مجالس کا مرہون منت ہے ڈاکٹر گور کہتے ہیں کہ کلیسا بائبل پر مقدم ہے۔ (مسائل کلیسا مصنفہ بشپ گور، مترجمہ جے ڈی نمبر مطبوعہ ۱۹۲۷ء صفحہ ۴۹)
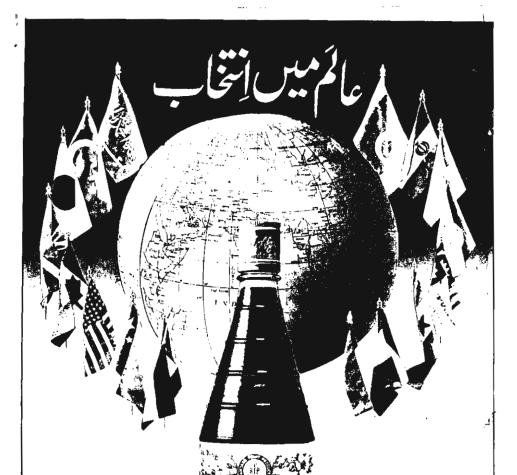
عبدالقیوم حقانی

تعارف وتبصرۂ کتب

کشاف اصطلاحات الفنون (عربی)

مؤلف: علامہ قاضی محمد اعلیٰ تھانوی ؒ ۔ صفحات دو جلد مکمل ۱۵۶۲
قیمت درج نہیں ۔ ناشر: سہیل اکیڈمی اردو بازار لاہور
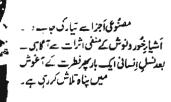
حضرت مولانا علامہ قاضی محمد اعلیٰ تھانوی ؒ (متوفی ۱۱۹۱ھ) ایک بلند پایہ محقق، مصنّف، صاحب قلم جیّد عالم دین اور برصغیر پاک وہند کے لیئے سرمایۂ افتخار تھے ان کے پاس موجودہ زمانہ کے وسائل، اسباب لائبریریاں، رفقاء کار اور جدید سہولتیں کب میسّر تھیں؛ مگر اس کے باوجود تھانہ بھون کے ایک چھوٹے سے قصبے میں بیٹھ کر یکہ وتنہا "کشاف اصطلاحات الفنون" کے نام سے انہوں نے جو انسائیکلو پیڈیا بنیار کی جسے ہر علم وفن میں استناد کا درجہ حاصل ہے۔ اس کی مثال صرف اسلام کی تاریخ اور ہمارے اسلاف ہی کے کردار میں مل سکتی ہے کشاف میں مؤلف نے تمام مروجہ نقلی اور عقلی علوم کے اصطلاحات کی مستند تشریح فرمائی ہے کتاب کے دو حصے ہیں پہلے حصے میں جو "الفن الاول" کے نام سے موسوم ہے عربی اصطلاحات کی تشریح ہے اس حصہ میں درس نظامی کے تمام علوم وفنون عالیہ اور آلیہ مثلاً تفسیر وحدیث، فقہ واصول فقہ، اصولِ حدیث واصول تفسیر عقائد وعلم کلام قرأت وتجوید، حدیث کے رجال واسناد، صرونحو، معانی وبیان، منطق وفلسفہ، ہندسہ وفلسفہ، ریاضی وطبعیات اور حکمت وطب الغرض مروجہ اور متداولہ علمی اور فنی اصطلاحات کی مفصل توضیح اور ہر لحاظ سے قابل اعتبار تحقیق فرمائی ہے کتاب کے دوسرے حصے کا نام "الفن الثانی" ہے جس میں عجمی اصطلاحات پر بحث کی گئی ہے آغاز کتاب میں مؤلف نے تمام مروجہ اور متداولہ علوم وفنون کی تعریف، موضوع، غرض وغایت اور اس کی مختصر تاریخ پر جامع کلام کیا ہے ـــ بہرحال علمی اور فنی اعتبار سے یہ ایک کامیاب اور تاریخی کاوش اور جامعیت کے لحاظ سے ایک انسائیکلو پیڈیا ہے جس کا جتنا بھی اعتراف کیا جائے کم ہے، ابتدار میں یہ کتاب ایک مستشرق سپرنگر کے ذریعہ کلکتہ میں بالاقساط شائع ہونی شروع ہوئی تھی ۱۸۶۱ء میں اس کی طباعت مکمل ہوئی بعد میں استنبول، تہران اور بیروت میں اسی نسخے کے فوٹو شائع ہوتے رہے، مگر افسوس کہ علم وفن، تحقیق وتعلیق اور تصنیف وتالیف کے اس دور میں یہ کتاب عصر حاضر کے مذاق کے مطابق شائع نہ ہوسکی کلکتہ والا ایڈیشن بھی نایاب ہوگیا تو اب اس کا حصول بھی آسان نہ رہا، سہیل اکیڈمی پوری

علمی برادری کی طرف سے قابل صد مبارکباد ہے کہ اس نے علم و فن اور تحقیق و تشریح کا یہ گراں قدر علمی شاہکار ایک مرتبہ پھر شائع کرنے کا عزم کیا تو وہ کامیاب رہے انہوں نے بھی کلکتے والے ایڈیشن ہی کا عکس شائع کیا لیکن طباعت میں سہیل اکیڈمی نے اپنے اشاعتی معیار اور طباعتی حسن کو برقرار رکھا ہے اور اس عظیم تاریخی شاہکار کو واقعتاً ایسی عمدگی سے پیش کیا ہے جس کا وہ مستحق ہے واجرہم علی اللہ ہمیں یقین ہے کہ علماء بالخصوص علمی اور تحقیقی حلقے اس کتاب کی واقعتاً اتنی ہی قدر کریں گے جس کی وہ مستحق ہے ۔

تفصیل آیات القرآن تالیف جول لام بوم، عربی ترجمہ فواد عبدالباقی، صفحات ۶۷۲۔ قیمت درج نہیں ۔ ناشر : سہیل اکیڈمی اردو بازار لاہور

محمد فواد عبدالباقی نے قرآن و حدیث کے مرتب کرنے کی بڑی عظیم اور تاریخی خدمات انجام دی ہیں المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم ان ہی کی عظیم تحقیقی اور تاریخی شاہکار کاوش ہے جو اس وقت دنیا میں قرآن مجید کا سب سے زیادہ جامع اور مفید لفظی انڈکس ہے اسی طرح مفتاح کنوز السنہ کی ترتیب و تدوین کی سعادت بھی انہیں حاصل ہوئی ہے زیر تبصرہ کتاب "تفصیل آیات القرآن" اسی سلسلہ مبارک کی ان کی تیسری عظیم کاوش ہے جو قرآن مجید کے مضامین کا اشاریہ ہے جسے ایک فرانسیسی مستشرق جول لابوم نے ابتداء میں فرنچ زبان میں لکھا تھا جس میں قرآن مجید کے موضوعات کو اٹھارہ ابواب میں تقسیم کرکے ہر باب سے متعلق مضامین کے تقریباً ساڑھے تین سو ذیلی عنوانات قائم کیے ہیں جول لابوم نے ہر عنوان کے تحت سورۃ اور آیت کے نمبر درج کیے تھے ۔ پھر جناب فواد عبدالباقی نے اس کا عربی ترجمہ کیا اور آیت کے حوالوں کے ساتھ اصل آیت کا متن بھی ساتھ درج کردیا ۔ نیز ایک اور فرانسیسی مستشرق ادوار مونتیہ کے تیار کردہ قرآنی مضامین کے اشاریہ کو قرآنی آیات میں منتقل کرکے اس کتاب کے آخر میں "المستدرک" کے عنوان سے کتاب کے ساتھ منسلک کردیا جس کی بنا پر یہ کتاب مزید جامع ہوگئی ہے سہیل اکیڈمی اس کتاب کی طباعت اور معیاری حسن کو برقرار بلکہ شاندار رکھا یقیناً ارباب علم و کمال اس کی بھی شایان شان قدر کریں گے ۔

اصول تحقیق تالیف : پروفیسر ڈاکٹر سعید اللہ قاضی صفحات ۱۴۴
ملنے کا پتہ : ڈائریکٹر شیخ زاید اسلامک سنٹر یونیورسٹی آف پشاور

تحقیق علمی دنیا کی روح اور علمی میدان میں ریڑھ کی ہڈی ہے ۔ اس کی بدولت انسان آج فضائی تسخیر سے ترقی کرکے چاند پر خیمہ زن ہو رہا ہے، معلوم نہیں کہ مستقبل میں اس کا سفر کون کون سے سیاروں تک جاری رہے گا اس میں کوئی شک نہیں کہ تحقیق کے اصول و قواعد سب سے پہلے قرآن و حدیث نے متعین کئے ۔ لیکن بدقسمتی سے

ہم فروعی اختلافات میں ایسے جکڑے گئے کہ تحقیق کی جگہ لکیر کا فقیر بن کر جمود کے شکار ہو گئے۔ زیر نظر کتاب اگرچہ سطح پر تحقیقی مقالات کی راہنمائی کے لیے لکھی گئی ہے لیکن اسلامی اصول تحقیق کے حوالہ سے ہر صاحب قلم اور تصنیف و تالیف کا جذبہ رکھنے والوں کے لیے بے حد مفید ہے اور اسلامی اصول تحقیق کا ترجمان ہے۔ (مفتی غلام الرحمٰن)

تثلیث فی التوحید

تالیف محمد اسلم رانا، صفحات ۸۰ پتہ۔ اسلامی مشن سنت نگر لاہور۔

ماہنامہ المذاہب شاہدرہ لاہور کے مدیر شہیر جناب محمد اسلم رانا کو قدرت کی طرف سے مسیحیت کے مطالعہ کا خصوصی ذوق ودیعت ہوا ہے وہ مسیحیت کے محقق اور اس کے تعاقب میں علمی و مطالعاتی اور تحریری میدان میں ید طولیٰ رکھتے ہیں پیش نظر رسالہ میں انہوں نے "ایک میں تین اور تین میں ایک" کے عیسائی فلسفہ کے تار و پود کو بکھیرا اور بائبل کے حوالوں سے اس خود ساختہ فلسفہ کے بودے پن کو بے نقاب کیا اور تاریخ کی شہادتوں سے اس عقیدہ کا بدعتی اور جعلی ہونا ثابت کیا ہے۔

شمع توحید

مؤلف: حامد محمود قادری صفحات ۵۶، قیمت ۲۰ روپے، ناشر: ادارہ اصلاح خدمت انسانیت جی پی او بکس ۴۳۱ کراچی پوسٹ کوڈ ۷۴۰۰۰۔

شمع توحید میں فاضل مؤلف نے صاف ستھرے سلیس اور واضح انداز میں عوام الناس کو سوال و جواب کی شکل میں یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ ایمان و اسلام اور توحید کی حدود کون کون سی ہیں قرآن و سنت کے ذریعہ ان مشرکانہ افعال کی نشاندہی کی گئی ہے جو مسلم معاشرہ میں اب بھی مروج ہیں جو ہر لحاظ سے کامیاب اور مستحسن کاوش ہے اللہ مؤلف کو جزائے خیر دے یقیناً قارئین بھی اس کی قدر کریں گے۔

(بقیہ صـ۵۶ سے)

ان سزاؤں کو ایک بار دیکھ لینے کے بعد انسان ان کی طرف جانے کے لیے دس بار سوچے گا اس طرح ایک صاف ستھرا اور گناہوں سے پاک ماحول پیدا ہوگا۔ اور انسان اطمینان اور سکون کی زندگی بسر کر سکے گا۔ اس بات کا کھلا مشاہدہ ہے کہ جن ملکوں میں اسلامی قوانین نافذ نہیں ہیں وہاں دن بدن جرائم بڑھتے جا رہے ہیں اور انکو روکنا اور ان پر قابو پانا مشکل بلکہ ناممکن ہو جاتا ہے اگر یہ باتیں مسلمان کی ذلت و رسوائی کا سبب ہیں تو ہرگز شریعت مطہرہ میں ایسے احکامات نازل نہیں ہوتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار حضرت خریم اسدی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"خریم اسدی بہت اچھا انسان ہے، کاش! اس میں فلاں فلاں کمزوریاں نہ ہوتیں۔"

(تعلیم و تربیت کے اُصول س ۲۶۴ صـ۱۳۱)

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

REGD. NO. P-90

فرمانِ رسولؐ..

حضرت علی ابنِ ابی طالب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"جب میری اُمّت میں چودہ خصلتیں پیدا ہوں تو اس پر مصیبتیں نازل ہونا شروع ہو جائیں گی"۔
"دریافت کیا گیا یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟" فرمایا:

- جب سرکاری مال ذاتی ملکیت بنا لیا جائے۔
- امانت کو مالِ غنیمت سمجھا جائے۔
- زکوٰۃ جرمانہ محسوس ہونے لگے۔
- شوہر بیوی کا مطیع ہو جائے۔
- بیٹا ماں کا نافرمان بن جائے۔
- آدمی دوستوں سے بھلائی کرے اور باپ پر ظلم ڈھائے۔
- مساجد میں شور مچایا جائے۔
- قوم کا رذیل ترین آدمی اس کا لیڈر ہو۔
- آدمی کی عزت اس کی برائی کے ڈر سے ہونے لگے۔
- نشہ آور اشیاء کھلم کھلا استعمال کی جائیں۔
- مرد ابریشم پہنیں۔
- آلاتِ موسیقی کو اختیار کیا جائے
- رقص و سرود کی محفلیں سجائی جائیں
- اس وقت کے لوگ اگلوں پر لعن طعن کرنے لگیں۔

تو لوگوں کو چاہیئے کہ پھر وہ ہر وقت عذابِ الٰہی کے منتظر رہیں خواہ سرخ آندھی کی شکل میں آئے یا زلزلے کی شکل میں یا اصحابِ سبت کی طرح صورتیں مسخ ہونے کی شکل میں۔ (ترمذی۔ باب علامات الساعۃ)